ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بانی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۲ ستمبر ۱۹۸۳ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ◎ لاہور

ہدیہ -/۲ روپے

اَحَادِیثُ الرَّسُولِ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ —— حضرت لاہوری قدس سرہٗ

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعَمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ لِیْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ وَ اَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ۔ متفق علیہ

ترجمہ: جبیرؓ بن مطعم نے کہا مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ واصحابہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں مَیں محمّد ہوں اور میں احمد ہوں اور مَیں مٹانے والا ہوں، اللہ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائیگا اور مَیں حاشر ہوں، لوگ اٹھائے جائیں گے میرے قدموں پر (یعنی اوّل قبر سے مَیں اُٹھوں گا لوگ میرے بعد اٹھیں گے) اور مَیں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے کہ جس کے بعد نبی کوئی نہیں آئے گا۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسَمِّیْ لَنَا نَفْسَہٗ اَسْمَآءً فَقَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَحْمَدُ وَالْمُقَفِّیْ وَالْحَاشِرُ وَ نَبِیُّ التَّوْبَۃِ وَنَبِیُّ الرَّحْمَۃِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابی موسیٰؓ اشعری نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مبارک کے بہت سے نام فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے مَیں محمّد اور احمد ہوں اور مقفی اور حاشر اور نبی التوبۃ اور نبی الرحمۃ ہوں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا تَعْجَبُوْنَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰہُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ وَّ لَعْنَھُمْ یَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا یَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَّ اَنَا مُحَمَّدٌ (رواہ البخاری)

ترجمہ: ابی ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ مجھ سے قریش کی گالیاں اور لعنت کس طرح پھیر دیتا ہے وہ مذمّم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمّم پر لعنت بھیجتے ہیں حالانکہ مَیں محمّد ہوں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ شَمِطَ مُقَدَّمُ رَأْسِہٖ وَ لِحْیَتِہٖ وَکَانَ اِذَا ادَّھَنَ لَمْ یَتَبَیَّنْ وَاِذَا شَعِثَ رَأْسُہٗ تَبَیَّنَ وَکَانَ کَثِیْرَ شَعْرِ اللِّحْیَۃِ فَقَالَ رَجُلٌ وَجْھُہٗ مِثْلُ السَّیْفِ قَالَ لَا بَلْ کَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَکَانَ مُسْتَدِیْرًا وَّ رَأَیْتُ الْخَاتَمَ عِنْدَ کَتِفِہٖ مِثْلَ بَیْضَۃِ الْحَمَامَۃِ یُشْبِہُ جَسَدَہٗ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: جابرؓ بن سمرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی کے اگلے حصّہ میں کچھ سفید بال نمودار ہوئے تھے۔ جب آپؐ تیل لگاتے تھے تو وہ ظاہر نہیں ہوتے تھے اور جب بال بکھرے ہوئے ہوتے تھے

(باقی ۲۴ پر)

باتیں اُن کی یاد رہیں گی

حضرت لاہوریؒ کے ارشاداتِ عالیہ کا مسلسل انتخاب

حق تلفی ایک مہلک روحانی بیماری ہے

(۱)

روحانی مہلک بیماریوں کا قبر میں ساتھ جانا

برادرانِ اسلام! جس طرح انسان کے حق میں بعض جسمانی مہلک بیماریاں ہیں۔ اسی طرح انسان کے حق میں بعض روحانی مہلک بیماریاں بھی ہیں۔ جس طرح اس شخص کی جسمانی صحت ٹھیک سمجھی جاتی ہے جو کسی بھی خطرناک بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ اسی طرح روحانی صحت کے لئے تمام روحانی مہلک بیماریوں سے شفایافتہ ہونا ضروری ہے۔

میرے بھائیو! جسمانی مہلک بیماریاں مرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً سل، دق وغیرہ مگر روحانی مہلک بیماریاں قبر میں بھی ساتھ جاتی ہیں اور قبر کو دوزخ کا گڑھا بنواتی ہیں اور پھر وہاں نہ کوئی مونس و غمخوار، نہ کوئی طبیب نہ کوئی علاج۔ پھر اس روحانی مریض کا اندازہ لگایئے کہ اس کی بے قراری، پریشانی کتنی "تکلیف دہ ہوگی۔ اگر دنیا میں اسے ایسی تکلیف آتی تو کوئی بعید نہ تھا کہ اس غم میں گھٹ کر مرجاتا۔ لیکن قبر کی روحانی زندگی میں موت بھی نہیں آئے گی خواہ کتنے ہی عذاب الٰہی کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔

علاج

روحانی مہلک بیماریوں کی سزا سے بچنے کا فقط ایک ہی علاج ہے کہ اللہ تعالےٰ دنیا کی زندگی میں ان سے شفایاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور شفایاب ہو کر قبر میں جائے۔

طریق علاج

شفایابی حاصل کرنے کا طریق و علاج یہ ہے کہ پہلے کسی عالم کتاب و سنت کی صحبت اختیار کرے۔ جس کو اپنے روحانی مربیوں کی صحبت میں رہ کر اپنی روحانی بیماریوں کا علاج کرانے کی توفیق ہوئی ہو۔ اور پھر اس کے مربیوں نے اس کی تکمیل کرکے اسے خلقِ خدا کی روحانی اصلاح کے لئے مامور بھی کیا ہو۔ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ روحانی مربّی کے لئے پہلی شرط قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تابعداری لازمی چیز ہے۔ اگر اس میں یہ رنگ نہ پایا جائے تو وہ اصل مربّی نہیں ہوگا بلکہ بھروپیا ہوگا۔ کہ تصوّف اور تزکیہ کے نام کو جلبِ زر کا ذریعہ بنا رہا ہوگا۔ اسی لئے کسی نے فرمایا ہے

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دست نہ باید داد دست

نسخۂ شفاء کی تین دوائیں

اصلی کھرے اور سچے روحانی مربی کی صحبت میں روحانی بیماریوں سے شفا پانے کے لئے فقط تین روحانی دوائیں استعمال کرنی پڑتی ہیں۔ مربّی کچھ تو اوراد و اشغال بتلائے گا۔ اس کے علاوہ اپنی باطنی توجہ طالب کے قلب پر کرتا رہے گا مزید برآں چونکہ طالب صادق کے دل میں اپنے شیخ کامل کی محبت ہوتی ہے۔ اس لئے شیخ کی زبان

مبارک سے جو بات طالب کی اصلاح کے لئے نکلتی ہے۔ وہ طالب مولیٰ کے دل پر اس طرح لکھی جاتی ہے جس طرح نقش برسنگ ہو۔ اس لئے کسی نے کہا ہے۔ ع

"آنچہ از دل مے خیزد بر دل می ریزد

حق تلفی
ایک روحانی مہلک بیماری ہے

مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بعض افراد اس مہلک بیماری سے بچے ہوتے ہیں۔ ان میں کئی مرد بھی ہوں گے اور کئی عورتیں بھی ہوں گی اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ان حضرات کو مستثنیٰ کرنے کے بعد اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جو اس موذی اور مہلک مرض میں مبتلا ہیں۔

میرا فرض

ہے کہ میں ان روحانی مریضوں کو اطلاع دوں تاکہ مرنے سے پہلے وہ لوگ اپنی اصلاح کر لیں۔ ورنہ اس گنہگار کی تبلیغ کا یہ فائدہ ضرور ہو گا کہ یہ لوگ قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں یہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے کہ رَبَّنَا مَا جَاءَنَا مِنْ نَّذِيْرٍ ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمارے پاس (دنیا میں) کوئی ڈرانے والا بندہ نہیں آیا تھا۔

حق داروں کی فہرست

حق تلفی کی فہرست تو بعد میں عرض کی جائے گی۔ پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان کے ذمے کس کس کے حق ہیں (۱) اللہ جلشانہٗ، (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۳) قرآن مجید (۴) اسلام (۵) ماں، (۶) باپ (۷)، بیوی (۸) اولاد، (۹) بھائی (۱۰) بہنیں (۱۱) برادری (۱۲) اگر سرکاری ملازم ہے تو سرکار کا حق (۱۳) اگر پرائیویٹ فرم یا دُکان پر ملازم ہے تو فرم یا دُکاندار کا حق۔

کھرا اور سچا مسلمان

وہ ہو گا جو مذکورۃ الصدر سب حقداروں کے حقوق ادا کرے جتنا حقداروں کے حق ادا کرنے میں ناقص ہو گا۔ اتنے نمبر کا یہ کھوٹا مسلمان ہو گا۔ اے مسلمان! جب تمہیں ہر چیز کھری چاہیئے۔ کھوٹی سے تمہیں نفرت ہے۔ اگر تمہیں کوئی شخص کھوٹی چیز دے تو لینے سے انکار کرتا ہے تو کیا اللہ تعالےٰ کو اپنی بہشت میں داخل کرنے کے لئے کھرے مسلمان نہیں چاہئیں۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں؟ تو ایمان سے کہہ کہ اللہ تعالےٰ اپنی کلام پاک قرآن مجید میں جن چیزوں کی برائی بیان کر رہا ہے کہ زنا کو بے حیائی کہہ رہا ہے۔ شراب اور جوا کو شیطان کے کام فرما رہا ہے۔ کیا پھر اپنی بہشت میں زانی مرد اور زانی عورتوں اور شراب خوار مرد اور شراب خوار عورتوں اور جوا کھیلنے والوں کو داخل کرے گا؟ اور کوئی بعید نہیں کہ ایسے بے تمیزوں سے یہ فرمائے:-

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ه

(سورہ بنی اسرائیل۔ ع ۲۔ پ ۱۵)

ترجمہ:- اپنا اعمال نامہ پڑھ لے۔ آج اپنا حساب لینے کے لئے تو ہی کافی ہے۔

حاشیہ
شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحبؒ

"یعنی اعمالنامہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائیگا۔ کہ خود پڑھ کر فیصلہ کرے جو کام عمر بھر میں کئے تھے۔ کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرہ ذرہ بلا کم و کاست اس میں موجود ہے"۔

(جاری ہے)

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیں ورنہ تعمیل نہ سکے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدام الدین



جلد ۲۹ • شمارہ ۹
۲۳ر ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ • ۲ر ستمبر ۱۹۸۳ء

رئیس الادارہ
شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور

مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
محمد سعید الرحمٰن علوی
ظہیر میر ایم اے ایل ایل بی

اس شمارے میں

بدل اشتراک

سالانہ	ششماہی	سہ ماہی
۸۰/-	۴۵/-	۲۵/-

فی پرچہ ۲/- روپے

مولانا عبید اللہ انور نے کامونزٹنگ پریس میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔

دولتانہ صاحب کے ارشادات

قومی اخبارات میں پرانے مسلم لیگی رہنما جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے ارشادات شائع ہوئے ہیں جو لاہور کے نئے پریس کلب کے "میٹ دی پریس" نامی تجزیاتی پروگرام میں میاں صاحب نے بطور مہمان خصوصی ارشاد فرمائے۔

میاں صاحب ان اکابرین میں سے ہیں جنہیں بانی پاکستان کی سربراہی و قیادت میں کام کرنے اور ان کے بے حد قریب رہنے کا اعزاز و شرف حاصل ہے۔ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے بعض لوگوں کے لئے یہی سب سے بڑا اعزاز ہے اور ہم بہر طور ان کے جذبات کی قدر کرنے اور اس اعزاز پر انہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

پھر یہ بھی مسلّم ہے کہ اس پرانی کھیپ کے جو دو چار آدمی باقی ہیں میاں صاحب ان میں سے ایک ہیں اور اس دور میں وہ جو بھی دعویٰ کریں درست اور صحیح ہی ہو گا اس لئے کہ ہم تو اس دور میں تھے نہیں کہ ذاتی معلومات و مشاہدہ کی بنیاد پر کچھ کہہ سکیں اور میاں صاحب جیسے عبقریوں کے سبب اس دور کی کوئی تاریخ مرتب نہ ہو سکی کہ آج کے دعووں کی چھان پھٹک ہو سکتی ——— روزنامہ جنگ اس ملک کا کثیر الاشاعت اخبار ہے اس نے میاں صاحب کے ارشادات کی سرخیاں اس طرح جمائیں:-

"پاکستان کو اسلامی نظام کی تجربہ گاہ بنانے کے لئے حاصل نہیں کیا گیا تھا"۔

"ہندوؤں نے ہمیں علیحدگی پر مجبور کر دیا"۔

"قائد اعظم مسلمان قومیت کے بجائے پاکستانی قومیت کا تصور رکھتے تھے"۔ (جنگ لاہور ۲۵ر اگست ۱۹۸۳ء)

صدر ضیاء الحق صاحب نے اپنی ۱۲ر اگست کی "معرکۃ الآرا تقریر"

ہیں بانی پاکستان کی ایک ڈائری کے حوالہ سے کہا تھا کہ "جناح صاحب صدارتی نظام کو پارلیمانی نظام سے بہتر کہتے تھے"۔ دولتانہ صاحب نے اتنے قرب کے باوجود اس ڈائری سے لاعلمی کا اظہار کیا لیکن روایتی طبیعت کے پیش نظر فرمایا کہ ضیاء صاحب کہتے ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا ——— تاہم ان کی یہ بات لائق توجہ ہے کہ اس ڈائری کو چھاپ دینا چاہیئے۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ صدارتی نظام اچھا ہے یا پارلیمانی؟ اگر اللہ تعالےٰ کی حاکمیت، اسلام کا تصور عدل اور عوام کے حقوق کا تحفظ نہ ہو تو "بہ ہر دو لعنت"، اگر اپنے حالات کے پیش نظر ان میں سے کسی کو بھی اپنا کر اصل مسائل کا حل ہوتا رہے تو یہ بات قابل تحسین و تبریک ہے اور یہی ہماری اصل ضرورت ہے (اللہ کرے کہ اس طرف اہل اقتدار کی توجہ ہو)۔

خیر، اس وقت اصل مسئلہ تو دولتانہ صاحب کے ان ارشادات کا ہے جو بطور سرخی اخبارات کی زینت ہیں اور حقیقت میں طویل بیان کی روح ——— ہم نے پہلی ہی نظر میں دیکھا تو سوچنے لگے کہ اگر یہ بات ہم جیسا کوئی سرپھرا جسے امام راشد سید مدنی اور امام ہند مولانا آزاد سے تعلق و عقیدت ہے، کہتا تو سیاستدانوں اور آوارہ مزاج قلمکاروں کی ایک کھیپ ایک ہی سانس میں دس بیس گالیاں تو ضرور لڑھکا دیتی۔ لیکن چونکہ یہ بات فرمائی ہے جناب دولتانہ نے، اور وہ ٹھہرے بانیٔ پاکستان کے قریبی رفیق، تحریک پاکستان کے نامور کارکن اور وڈیرے جاگیردار، اس لئے انہیں کون بُرا بھلا کہے؟

ویسے سچ پوچھیں تو دولتانہ صاحب نے غلط بھی نہیں کہا ——— بانی پاکستان کی ۱۱ر اگست ۱۹۴۷ء کی معروف تقریر میں بھی تو یہی بات کہی گئی تھی کہ اب جب کہ پاکستان بن چکا ہے تو ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی کا سوال ختم کر کے صرف اور صرف پاکستانی بن کر رہنا اور اسی انداز سے سوچنا ضروری ہے اور یہ کہ مذہب ہر شخص کا پرائیویٹ معاملہ ہے ——— اس سیدھی سادی تقریر کو نئے نئے معانی آج تک پہنائے جا رہے ہیں اور پہنانے والے وہ ہیں جو اس ملک میں اسلام کے سب سے بڑے اجارہ دار ہیں لیکن ان کی عملی زندگیاں ہر اس خرابی کی مظہر ہیں کہ کوئی بُرے سے بُرا انسان بھی ان کا تصور نہیں کر سکتا اور جو اٹھتے بیٹھتے امام راشد مدنی اور امام ہند ابوالکلام جیسے خاصانِ خدا کو کوسنا ہی اپنی زندگی کی معراج سمجھتے ہیں ——— امر واقعہ یہ ہے کہ آج ۳۶ سال کے بعد نظام حکومت و سیاست کے جس چکر کا ہم شکار ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ مسلم لیگ کی مرکزی قیادت نہ اسلام چاہتی تھی نہ اس کا اسلام سے تعلق تھا لیکن عوام کی حمایت حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ انہیں اسلام کے نام پر اپنے گرد اکٹھا کیا جائے ——— اخبار بین دنیا تو جانتی ہے کہ بانی پاکستان سمیت بعض دوسرے اہم قائدین بوقت ضرورت اسلام، جمہوریت، سوشلزم وغیرہ کی بات کہہ دیتے تھے لیکن یہ باتیں خواص تک محدود رہتیں عوام کو اسلام کے نام پر ہی بلایا جاتا اور انہیں بلا کر جب مقصد حاصل کر لیا تو ۱۱ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستانی قومیت کا اعلان کر کے مذہب اور دین کو انسانوں کا ذاتی معاملہ قرار دے کر اسلام کی حکمرانی کا واضح انکار کر دیا گیا ——— ہمارے دانشور آج تک بانی پاکستان کی اس تقریر کی تاویلوں کے چکر میں ہیں کہ اس کے بغیر جمعیۃ علماء ہند اور مجلس احرار اسلام کے زعما کو گالی ممکن نہیں۔ اب دولتانہ صاحب نے وہی بات ارشاد فرمائی جو ان کے قائد گرامی نے ۳۶ سال قبل کہی تھی تو اب اس کی کیا تعبیر و توجیہہ

ہوگی ——— لوگ باتیں کرتے ہیں تو سوچتے نہیں کہ ان کا انجام کیا ہوگا ——— ایک صاحب نے پچھلے دنوں ایک تجویز پیش کی کہ اردو زبان (جو پاکستان میں ہنوز مظلوم ہے) کا نام پاکستانی زبان رکھا جائے۔ اس اردو کے لئے گاندھی نے ہندوستانی زبان کا نام تجویز کیا تو ہمارے دانشور اور سیاسی حضرات نے شور مچا دیا اس کا انجام سامنے ہے کہ انڈیا سے اردو کا دیوالیہ نکل گیا اور یہاں ....

حلق کے اوپر سے اسلام کا نام اور درونِ خانہ ہندو سرمایہ دار کے مقابل مسلمان سرمایہ دار کی "جنت" بنانے کا خواب ۱۹۴۷ء میں پورا ہو گیا۔ ایک محدود طبقہ کے محلّات بن گئے۔ غریب نے اجڑنا تھا اجڑ گیا اس کی سزا ۱۹۷۱ء میں مل گئی۔ لیکن ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۷ء تک کے "عوامی حکمران" اور ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۳ء تک کے "اسلامی حکمران" اسی ڈگر پر چل رہے ہیں کہ کیا کچھ جاتا ہے کیا کچھ کہا جاتا ہے ——— اسلام کی مظلومی کی سزا قدرت سخت دے گی اور دے رہی ہے۔ کہ اسلام تو ان کا ہے انہوں نے اپنے آخری رسول کے ذریعہ بھیجا ان کی غیرت اس کی مظلومی و بے عزتی کیسے برداشت کرے گی؟ یا تو صدر صاحب اسلام کے معاملہ میں اخلاص کا مظاہرہ کر کے اسے بیک جنبش قلم بصورتِ آرڈیننس نافذ کر دیں (تدریجاً اور قسطوں میں نہیں) یا دو عملی کو چھوڑ کر اپنا من بھاتا نظام نافذ کر کے اسلام کو معاف کر دیں۔ گو کہ اب ایسا کرنا ایک بڑے طوفان کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔

آج ایم۔ آر۔ ڈی کی غلط کار قیادت اور غلط منصوبہ بندی کے سبب اگر پانی سر سے نہیں گذرا تو اس کا یہ معنی تو نہیں کہ آپ کا راج ہمیشہ قائم رہے گا؟ پانی سر سے گذر بھی سکتا ہے اور جب ایسا ہوگا تو پھر اللہ حافظ!

دولتانہ صاحب اور ضیا صاحب کے بہت اچھے مراسم ہیں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ دیں (کہ ان کا معاملہ یہاں "ثانوی" ہے۔ (عیاذ باللہ) یہاں تو اور ہی ہیں جن کی بات سند ہے) اپنے بڑوں کے افکار کی روشنی میں جو کرنا چاہیں کر گذریں زیادہ تاخیر بجید بربادیوں کا باعث ہوگی۔

اللہ تعالےٰ عقل صحیح و سلیم کی دولت سے نوازے اور تدبر و ہمت کی توفیق دے۔

فقیر علی 28-8-1983

بقیہ: مجلسِ ذکر

وزارت میں انہوں نے علماء کی لاج رکھی اور بہاولپور اسلامی یونیورسٹی میں ان کی تدریسی خدمات کا اعتراف بڑے بڑوں نے کیا۔ خود ہمارے اپنے حلقہ کے بعض علماء کرام جن کی علمی وجاہت کسی کے سامنے نہیں جھکتی وہ بھی کھلے دل سے مولانا کا اعتراف کرتے۔ اور ان کے عالمانہ وقار کا احترام کرتے۔

الغرض ایسے دیدہ ور، صاحب کردار اور عبقری کا دنیا سے رخصت ہونا بہت بڑا سانحہ ہے۔ مولانا آج کل ترمذی شریف کی شرح میں مشغول تھے جس کا بڑا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اللہ تعالےٰ ان کے لواحقین کو اس کی اشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے۔

میں اس مجلس ذکر و فکر میں اللہ رب العزت کے دربار میں بڑے خلوص اور عجز و الحاح سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ذات پاک ان کی انسانی نیکیوں کو قبول فرما کر انہیں درجات رفیع سے نوازے اور ان کے پسماندگان و لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : ادارہ

اللہ بس باقی ہوس

مولانا افغانی کا سانحۂ ارتحال ہمارے دَور کا عظیم سانحہ ہے

پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم العالی

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

کل شیءٍ ھالکٌ الّا وجھہ

محترم حضرات و معزز خواتین!

یہ سورۂ قصص کے آخر کا ایک ٹکڑا ہے جس میں اللہ رب العزت نے اپنی ذات باری کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ وہی سدا باقی رہنے والی ذات ہے ازلی ہے، ابدی ہے جس پر کبھی فنا نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس دنیا کی ہر چیز ہلاک و فنا ہونے والی ہے اور کسی کو دوام وبقا حاصل نہیں ——— سچ ہے۔

"اللہ بس باقی ہوس"

ہمارے ایک عزیز شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ؎

موت ہے آخر کوئی کتنا ہی ہو صاحب کمال
حیّ و قیوم اک فقط ہے ذات رب ذوالجلال

بزرگانِ گرامی! چند دن قبل ہمیں ایک زبردست سانحہ سے دوچار ہونا پڑا یعنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے پوتے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جو نصف صدی سے زائد اس عظیم درسگاہ کے وائس چانسلر رہے انتقال فرما گئے۔ ان کا ذکر کچھ نہ کچھ گزشتہ سے پیوستہ ہفتہ ہوا۔ اب اس ہفتہ ہمارے ایک اور بزرگ اور عظیم علمی انسان مولانا شمس الحق افغانی کے انتقال کی خبر آگئی ——— انّا للہ وانّا الیہ راجعون ——— ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے اکابر، اساتذہ اور بزرگ اس تیزی سے دنیا سے جا رہے ہیں ——— مولانا مرحوم ضلع پشاور کے ایک قصبہ ترنگ زئی کے باشندے تھے زندگی کے آخری چند سال وہاں گزارے اور وہ بھی تصنیفی طور پر مشغولیت میں، ورنہ ان کی ساری عمر گھر سے باہر خدمت علم و دین میں گذری۔ ان کا بڑا اعزاز یہ تھا کہ جس درسگاہ میں وہ پڑھے یعنی دارالعلوم دیوبند! اسی میں اللہ تعالے نے اپنے اساتذہ کی موجودگی میں انہیں تدریس کا موقعہ سالہا سال نصیب فرمایا اور وہ بھی شیخ التفسیر کے منصب جلیلہ پر۔ ان کے اس دَور کے متعدد عظیم شاگرد ملک کے مختلف حصوں میں مصروف تدریس ہیں۔

مولانا گرامی رحمہ اللہ تعالے کے ہمارے حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ سے بہت اچھے مراسم اور تعلقات تھے حضرت کے زمانہ میں انہوں نے بڑا عرصہ یہاں تدریس کے فرائض سرانجام دئے۔ ملک میں علم و دانش کی ہر بزم میں وہ شریک ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیر صدارت جن محقق علماء نے ملک کے نظام کے لئے ۲۲ نکات مرتب کئے ان میں مولانا سرفہرست تھے ——— قلات کی اہم ترین

(باقی ۷ پر)

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

دینِ اسلام کی نمایاں خصوصیات

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز!

گذشتہ صحبت میں دین اسلام کی نمایاں خصوصیات پر گفتگو کے ضمن میں ۴ باتیں عرض کی گئی تھیں یعنی عقیدہ کی اہمیت اور اس پر اصرار، ہر کام میں رضاء الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا بھرپور خیال، غیرت و حمیّت، آخرت کی زندگی کا احساس اور اس کے لئے تیاری ——— ان چاروں نکات کے سلسلہ میں مختصر سی وضاحت بھی کی گئی اور بعض قرآنی آیات، سیرت کے واقعات اور دوسری چیزیں بطور استشہاد و دلیل پیش کی گئیں۔

آج کی صحبت میں حسب وعدہ چند مزید گزارشات پیش کی جا رہی ہیں وہ بھی دین اسلام کی خصوصیات و امتیازات سے متعلق ہیں۔ ان چیزوں کے اظہار کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان قوم جس دین فطرت کا دم بھرتی ہے اس کے معاملہ میں وہ علیٰ وجہ البصیرت اطمینان کا اظہار کر سکے اور اگر کبھی کسی دشمن دین و ایمان سے پالا پڑے تو دلائل کی روشنی میں اس سے گفتگو کر کے اس کو مطمئن کر سکے یا کم از کم اس کے لایعنی اعتراضات کا دفاع کر سکے۔

پانچویں خصوصیّت

حاکمِ حقیقی اور فرمانروائے مطلق

پانچوں چیز جو دین اسلام کا خصوصی وصف ہے وہ یہ ہے کہ اس کا اعلان یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا کوئی حاکم حقیقی اور فرمانروائے مطلق نہیں۔ سورۂ یوسف آیت ۴۰ میں ہے :۔

" اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کی حکومت نہیں "

لیکن اس اعلان کا یہ مقصد نہیں اور نہ قرآن کی یہ خواہش ہے کہ لوگ اپنے رب سے حاکم و محکوم اور آمر و مامور کا تعلق قائم رکھیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ان تمام معاملات میں محبت الٰہی کا عنصر غالب و شامل رہے اور بندہ اسے حاکم، آمر مطلق، معبود اور بادشاہ سبھی کچھ سمجھے تو اس میں محبّت کا پہلو کارفرما ہو کہ بندہ کے دل و دماغ میں اس کی محبّت سرایت کئے ہوئے ہو اور بندہ اپنے خالق و مالک کی نعمتوں کے ذکر و تذکرہ سے ہر وقت اپنے آپ کو مسرور و شادکام رکھے اور محض خوف کا پہلو اس پر غالب نہ رہے بلکہ محبت کی سرشاری اسے یہ باور کرنے پر مجبور کرے کہ اس کے بغیر کوئی کام نہیں ——— سورۂ بقرہ میں ہے :۔

والّذین اٰمنوا اشدّ حبّاً للہ۔ کہ ایمان والوں کو اپنے رب سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے "

آیت میں اسی حقیقت کا اظہار ہے اور ظاہر ہے کہ محبت کے راستے جو کام ہوں گے وہ دیرپا ہوں گے اور ان میں نیا ہی لطف و مزا ہوگا۔

اسی طرح سورۃ مائدہ میں اللہ رب العزت نے اپنے بندگانِ خاص کے ذکر میں فرمایا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے گویا تمام خفیفتوں کا اعتراف محبت کے راستے سے ہو تو انشاء اللہ اس میں حقیقی کامیابی ہو گی ——— اور راہ حق میں کسی قربانی سے طبیعت گریز نہیں کرے گی ۔ کیونکہ ع

محبت خود تجھے آداب محبت سکھا دے گی

چھٹی خصوصیت

انبیاء علیہم السلام کے احسانات کی قدردانی

ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نعمت کبریٰ (دین اسلام) لے کر آتے ہیں (یعنی انبیاء علیہم السلام ۔ جن کی آخری کڑی ہمارے آقا و مولیٰ حضور ختمی مرتبت محمد عربی صلوٰۃ اللہ علیہ و سلامہ ہیں) ان کی بھرپور قدردانی کا یہ دین ہمیں پابند کرتا ہے وہ یہ تخیل تسلیم نہیں کرتا کہ یہ حضرات محض چٹھی رساں ہیں اور ان کا اپنی قوموں سے اتنا ہی تعلق ہے اور بس ——— اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی چٹھی (وحی الٰہی جس کی آخری کڑی قرآن عزیز ہے) ۔ مرسل الیہم (اللہ کے بندوں) تک پہنچانے کے بعد سبکدوش ہو گئے اور اب ان کا کوئی تعلق نہیں ——— اس قسم کا باطل نظریہ اور عقیدہ رکھنے والے ہر دَور میں کچھ لوگ رہے جو آج کل منکرین سنت کی شکل میں موجود ہیں ۔ اس کے برعکس دین اسلام کہتا ہے کہ وہ تمہارے محسن، مربی اور تمہارے حق میں مزکّی ہیں وہ انسانیت کے لئے قابل تقلید نمونہ، اسوہ کامل و حسنہ اور معیارِ حق و صداقت و رشد و ہدایت ہیں ۔ آخری وحی قرآن عزیز نے واضح کیا کہ ان کے اتباع ہی سے تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق گردانے جاؤ گے ۔ (آل عمران آیت ۳۱) اور یہ کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری فی الحقیقت اللہ رب العزت کی اطاعت و فرمانبرداری ہے (النساء) قرآن نے جا بجا اطاعت الٰہی کے ساتھ اطاعت رسول اور اس پر مرتب ہونے والے اجر اور اس سے گریز پر عذاب کا ذکر کیا ۔ قرآن بتاتا ہے کہ کتاب الٰہی کے اسرار و رموز تک پیغمبرانہ رہنمائی کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا ——— خصال فطرت اور سنن ہدیٰ پیغمبرانہ عادات کا ہی نام ہے اور انہیں اپنائے بغیر اسلام کا تصور ناقص ادھورا اور انکار کی شکل میں کفر محض ہے ——— جہاں تک حضور ختمی مرتبت کا تعلق ہے تو آپ کے معاملہ میں ضابطہ کا تعلق نہیں بلکہ بطور خاص دائمی محبت مطلوب ہے کہ آپ انسانیت کے لئے آخری اسوہ کاملہ و حسنہ ہیں کہ آپ کے بعد یہ راہ ہی مسدود ہو چکی ہے ——— اس لئے کلمہ ہو کہ اذان، نماز ہو کہ نماز جنازہ، ہر جگہ آپؐ کے اسم گرامی کی شمولیت اور آپؐ پر صلوٰۃ و سلام کی ترغیب وغیرہ سب اسی مقصد سے ہیں کہ مسلمان آپؐ کا حقیقی مقام پہچان کر آپؐ سے اپنے تعلق کو صحیح معنوں میں استوار کریں ۔ اس محبت و نسبت کا حقیقی اظہار ان احادیث سے ہوتا ہے جو حضرات امام بخاری، امام مسلم اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کی ہیں جن میں فرمایا گیا کہ "اپنی اولاد، والدین اور تمام لوگوں حتیٰ کہ اپنی ذات سے زیادہ مجھ سے محبت نہیں کرو گے تو اسلام کا تصوّر صحیح نہیں ہوگا ۔ یعنی ایمان کی کاملیّت اور اس کی لذّت حقیقی معنوں میں جب ہی نصیب ہو گی جب رسول اکرم علیہ السلام کو ہر چیز سے زیادہ محبوب سمجھا جائے گا ۔ صحابہ کرام اور بعد کے ادوار کے مومنین کاملین نے اپنے نبی و آقا سے محبت و تعلق کا جو ثبوت فراہم کیا اس کی مثال دنیا میں ملنی مشکل ہے ۔ ع

"شاخ گل میں جس طرح باد سحرگاہی کا نم"

والی بات ان حضرات پر صادق آتی ہے کہ ان کے جسم و جان میں وہ رچ بس گئی تھی ۔

ساتویں خصوصیت

دین اسلام کی کاملیت اور اس کی دوامی حیثیت

اس دین فطرت و ہدایت کی ایک خصوصیت اس کی کاملانہ حیثیت اور اس کی دوامی پوزیشن ہے ۔ قرآن نے جہاں حضور علیہ السلام کی ختم نبوت کا اعلان کیا اور سورۃ مائدہ میں تکمیل دین کی بات کی ۔ اس سے یہی مقصود ہے ۔ یہ اعلان اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر بے حد کرم اور اس کی عنایت تھی ۔ گویا یہ اس بات کا اعلان تھا کہ دنیا سن بلوغ کو پہنچ گئی اور پختگی و کمال کا مرحلہ اس نے حاصل کر لیا ۔ اب وہ محدود اور تنگ دائرہ سے نکل کر پوری انسانیت کو محیط ہو گئی ہے اور گویا تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہو رہی ہے ۔ جس کا ذکر بار بار قرآن نے کیا ھوالذی سخّر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا ۔

آٹھویں خصوصیت

اسلام کا اصلی شکل میں محفوظ ہونا

ایک نہایت ہی اہم خصوصیت اس دین فطرت کا اپنی اصل شکل میں طویل عرصہ گذر جانے کے باوصف محفوظ رہنا ہے ۔ اسلام کی کتاب قرآن مجید سے قبل دنیا میں متعدد کتابیں اور صحیفے آئے لیکن ان کی حیثیت وقتی اور محدود تھی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی عمر طبعی کے بعد ان کے اصل نسخے ناپید ہو کر رہ گئے ——— اب یتیم مکہ کا دَور آیا تو اسے ایسی کتاب ملی جس نے کارخانہ ملّت کو دھو کر ایک صالح نظام کی بنیاد ڈالی اور جس زبردست رب نے اسے اتارا تھا ۔ اس نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے کر جملہ معاندین و حاسدین کی راہ بند کر دی اور وہ اس قابل نہ رہے کہ اس میں سر مُو گڑبڑ کر سکیں ۔ حضور علیہ السلام کے ابتدائی دَور کے دشمنوں سے لے کر اب تک مختلف طبقات اور افراد نے اس نوع کی کوششیں کیں لیکن ہر کوشش مکڑی کا جالا اور ریت کا گھروندا ثابت ہوئی اور وعدہ خداوندی کی صداقت اب تک اپنا رنگ دکھلا رہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ صبح قیامت تک یہ تروتازگی اور اپنی اصلی شکل میں باقی رہنے والی بات جھٹلائی نہ جا سکے گی کہ رب اپنی ذات کی طرح اپنے وعدوں میں بھی سچا ہے ۔ اس بات کا اعتراف و اقرار دشمنوں نے بھی کیا ——— مثلاً ایک مسیحی فاضل (ERNESTDE BUNSEN) اپنی کتاب (ISLAMOR TRUE CHISTIAMITY) میں لکھتا ہے کہ جس عقیدہ اور نظام کا ذکر ہمیں انجیل میں ملتا ہے اس کا حضرت مسیح سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کی تمامتر ذمہ داری یہودی عیسائی بے دین پال کے سر ہے ۔ پال نے حضرت مسیح کے ذمہ بہت سی کہانیاں لگا دیں ۔ حالانکہ جناب مسیح نے ایسی کوئی بات نہیں کی ۔ آج عیسائیت کا پورا تانا بانا انہی لوگوں کا وضع کردہ ہے ۔

یہ اس فاضل مسیحی کا اپنی کتاب اور اپنے نظام سے متعلق اعتراف ہے جب کہ حضور اکرم علیہ السلام کے لائے ہوئے دین اور اس نظام حیات کے متعلق کسی بڑے سے بڑے دشمن نے بھی ایسی بات نہیں کی اور بڑے بڑے دشمنان نے بھی اعتراف کیا کہ محمّد کریم علیہ السلام کے ذریعہ جو دین آیا اس کا ہر شوشہ محفوظ ہے ۔ ع

والفضل ما شھدت بہ الاعداء

جیسا کہ پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ اصل ضرورت ان خصوصیات کو اپنی روح میں رچانے کی ہے ۔ کہ اس کے بغیر زندگی بڑی بے کیف اور بدمزہ ہے ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

اسی طرح سورۃ مائدہ میں اللہ رب العزت نے اپنے بندگانِ خاص کے ذکر میں فرمایا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے گویا تمام خلیفتوں کا اعتراف محبت کے راستے سے ہو تو انشاء اللہ اس میں حقیقی کامیابی ہوگی ـــــ اور راہ حق میں کسی قربانی سے طبیعت گریز نہیں کرے گی۔ کیونکہ ع

محبت خود تجھے آداب محبت سکھا دے گی

چھٹی خصوصیت

انبیاء علیہم السلام کے احسانات کی قدردانی

ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نعمت کبریٰ (دین اسلام) لے کر آتے ہیں (یعنی انبیاء علیہم السلام) جن کی آخری کڑی ہمارے آقا و مولیٰ حضور ختمی مرتبت محمد عربی صلوٰۃ اللہ علیہ و سلامہ ہیں) ان کی بھرپور قدردانی کا یہ دین ہمیں پابند کرتا ہے وہ یہ تخیل تسلیم نہیں کرتا کہ یہ حضرات محض چھٹی رساں ہیں اور ان کا اپنی قوموں سے اتنا ہی تعلق ہے اور بس ـــــ اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی چھٹی (وحی الٰہی جس کی آخری کڑی قرآن عزیز ہے) ـ مرسل الیہم (اللہ کے بندوں) تک پہنچانے کے بعد سبکدوش ہوگئے اور اب ان کا کوئی تعلق نہیں ـــــ اس قسم کا باطل نظریہ اور عقیدہ رکھنے والے ہر دور میں کچھ لوگ رہے جو آج کل منکرین سنت کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے برعکس دین اسلام کہتا ہے کہ وہ تمہارے محسن، مربی اور تمہارے حق میں مزکّی ہیں وہ انسانیت کے لئے قابل تقلید نمونہ، اسوہ کامل و حسنہ اور معیارِ حق و صداقت و رشد و ہدایت ہیں۔ آخری وحی قرآن عزیز نے واضح کیا کہ ان کے اتباع ہی سے تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق گردانے جاؤ گے۔ (آل عمران آیت ۳۱) اور یہ کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری فی الحقیقت اللہ رب العزت کی اطاعت و فرمانبرداری ہے (النساء) قرآن نے جا بجا اطاعت الٰہی کے ساتھ اطاعت رسول اور اس پر مرتب ہونے والے اجر اور اس سے گریز پر عذاب کا ذکر کیا ـ قرآن بتاتا ہے کہ کتاب الٰہی کے اسرار و رموز تک پیغمبرانہ رہنمائی کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا ـــــ خصائل فطرت اور سنن ہدیٰ پیغمبرانہ عادات کا ہی نام ہے اور انہیں اپنائے بغیر اسلام کا تصور ناقص ادھورا اور انکار کی شکل میں کفر محض ہے ـــــ جہاں تک حضور ختمی مرتبت کا تعلق ہے تو آپ کے معاملہ میں ضابطہ کا تعلق نہیں بلکہ بطور خاص دائمی محبت مطلوب ہے کہ آپ انسانیت کے لئے آخری اسوہ کاملہ و حسنہ ہیں کہ آپ کے بعد یہ راہ ہی مسدود ہو چکی ہے ـــ اس لئے کلمہ ہو کہ اذان، نماز ہو کہ نماز جنازہ، ہر جگہ آپ کے اسم گرامی کی شمولیت اور آپ پر صلوٰۃ و سلام کی ترغیب وغیرہ سب اسی مقصد سے ہیں کہ مسلمان آپ کا حقیقی مقام پہچان کر آپ سے اپنے تعلق کو صحیح معنوں میں استوار کریں۔ اس محبت و نسبت کا حقیقی اظہار ان احادیث سے ہوتا ہے جو حضرات امام بخاری، امام مسلم اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کی ہیں جن میں فرمایا گیا کہ "اپنی اولاد، والدین اور تمام لوگوں حتیٰ کہ اپنی ذات سے زیادہ مجھ سے محبت نہیں کرو گے تو اسلام کا تصور صحیح نہیں ہوگا۔ یعنی ایمان کی کاملیت اور اس کی لذت حقیقی معنوں میں جب ہی نصیب ہوگی جب رسول اکرم علیہ السلام کو ہر چیز سے زیادہ محبوب سمجھا جائے گا۔ صحابہ کرام اور بعد کے ادوار کے مومنین کاملین نے اپنے نبی و آقا سے محبت و تعلق کا جو ثبوت فراہم کیا اس کی مثال دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ ع

"شاخ گل میں جس طرح باد سحرگاہی کا نم"

والی بات ان حضرات پر صادق آتی ہے کہ ان کے جسم و جان میں وہ رچ بس گئی تھی۔

ساتویں خصوصیت

دین اسلام کی کاملیت اور اس کی دوامی حیثیت

اس دین فطرت و ہدایت کی ایک خصوصیت اس کی کاملانہ حیثیت اور اس کی دوامی پوزیشن ہے۔ قرآن نے جہاں حضور علیہ السلام کی ختم نبوت کا اعلان کیا اور سورۃ مائدہ میں تکمیل دین کی بات کی۔ اس سے یہی مقصود ہے۔ یہ اعلان اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر بے حد کرم اور اس کی عنایت تھی۔ گویا یہ اس بات کا اعلان تھا کہ دنیا سن بلوغ کو پہنچ گئی اور پختگی و کمال کا مرحلہ اس نے حاصل کر لیا۔ اب وہ محدود اور تنگ دائرہ سے نکل کر پوری انسانیت کو محیط ہو گئی ہے اور گویا تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہو رہی ہے۔ جس کا ذکر بار بار قرآن نے کیا ھوالذی سخّر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا۔

آٹھویں خصوصیت

اسلام کا اصلی شکل میں محفوظ ہونا

ایک نہایت ہی اہم خصوصیت اس دین فطرت کا اپنی اصل شکل میں طویل عرصہ گزر جانے کے باوصف محفوظ رہنا ہے۔ اسلام کی کتاب قرآن مجید سے قبل دنیا میں متعدد کتابیں اور صحیفے آئے لیکن ان کی حیثیت وقتی اور محدود تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی عمر طبعی کے بعد ان کے اصل نسخے ناپید ہو کر رہ گئے ـــــ اب یتیم مکہ کا دور آیا تو اسے ایسی کتاب ملی جس نے کارخانہ ملت کو دھو کر ایک صالح نظام کی بنیاد ڈالی اور جس زبردست رب نے اسے اتارا تھا۔ اس نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے کر جملہ معاندین و حاسدین کی راہ بند کر دی اور وہ اس قابل نہ رہے کہ اس میں سر مو گڑبڑ کر سکیں۔ حضور علیہ السلام کے ابتدائی دور کے دشمنوں سے لے کر اب تک مختلف طبقات اور افراد نے اس نوع کی کوششیں کیں لیکن ہر کوشش مکڑی کا جالا اور ریت کا گھروندا ثابت ہوئی اور وعدہ خداوندی کی صداقت اب تک اپنا رنگ دکھلا رہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ صبح قیامت تک یہ ترو تازگی اور اپنی اصلی شکل میں باقی رہنے والی بات جھٹلائی نہ جا سکے گی کہ رب اپنی ذات کی طرح اپنے وعدوں میں بھی سچا ہے۔ اس بات کا اعتراف و اقرار دشمنوں نے بھی کیا ـــــ مثلاً ایک مسیحی فاضل (ERNESTDE BUNSEN) اپنی کتاب (ISLAMOR TRUE CHISTIAMITY) میں لکھتا ہے کہ جس عقیدہ اور نظام کا ذکر ہمیں انجیل میں ملتا ہے اس کا حضرت مسیح سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کی تمام تر ذمہ داری یہودی عیسائی بے دین پال کے سر ہے۔ پال نے حضرت مسیح کے ذمہ بہت سی کہانیاں لگا دیں۔ حالانکہ جناب مسیح نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ آج عیسائیت کا پورا تانا بانا انہی لوگوں کا وضع کردہ ہے۔

یہ اس فاضل مسیحی کا اپنی کتاب اور اپنے نظام سے متعلق اعتراف ہے جب کہ حضور اکرم علیہ السلام کے لائے ہوئے دین اور اس نظام حیات کے متعلق کسی بڑے سے بڑے دشمن نے بھی ایسی بات نہیں کی اور بڑے بڑے دشمنان نے بھی اعتراف کیا کہ محمد کریم علیہ السلام کے ذریعہ جو دین آیا اس کا ہر شوشہ محفوظ ہے۔ ع

والفضل ما شهدت به الاعداء

جیسا کہ پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ اصل ضرورت ان خصوصیات کو اپنی روح میں رچانے کی ہے۔ کہ اس کے بغیر زندگی بڑی بے کیف اور بدمزہ ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (رحمۃ اللہ علیہ)

ایک عہد ساز شخصیت

زمانہ صدیوں بعد بھی اس کا جواب پیدا نہیں کر سکے گا

مائیں ہر روز اپنی کوکھ سے بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ اور نہ جانے کتنوں کو ہر روز موت چاٹ جاتی ہے۔ بہار و خزاں کی یہ لڑائی روز آفرینش سے چلی آ رہی ہے اور صور اسرافیل تک جاری رہے گی۔ تاہم باد سموم کے جھونکوں میں کانٹوں کے درمیان رہ کر کچھ پھول صحن چمن کو اپنی بہاروں سے رونق بخشتے رہتے ہیں۔ صیاد کو نہ سہی مالی کو ان پھولوں سے لگاؤ ضرور ہو جاتا ہے۔ باغ کے گل بوٹے بھی ہر روش ہیں ان سے پیار کرتے ہیں۔ بجلیاں گرتی ہیں تو گلشن کا پتہ پتہ انہیں ڈھانپ لیتا ہے۔ وقت آنے پر انہیں پھولوں کی مہک سے کائنات مہک اٹھتی ہے۔

زندگی کے سفر میں شاہراہوں پر کچھ سنگِ میل راستہ کھو جانے والے مسافروں کو ہمیشہ صراطِ مستقیم دکھاتے رہتے ہیں۔ بعض قدم ایسے اٹھتے ہیں جو سنگ میل توڑ پھوڑ دیتے ہیں مگر اس پر بھی وہ سچائی سے منہ نہیں موڑتے۔ گرتے پڑتے اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہتے ہیں۔

اسی طرح آیئنہ حیات میں کچھ سوزنیں ایسی دکھائی دیتی ہیں جن کے نقش ونگار میں عزم و ہمت، ایثار و قربانی کے جذبات بحرِ بے کراں کی طرح موجزن ہوتے ہیں۔ سمندر کے جوار بھاٹا، آندھیوں کے طوفان اور بادلوں کی گرج چمک انہیں اپنے راستے سے کبھی نہیں ہٹا سکتے۔ اور اور یہی وہ لوگ ہیں جو اندھیروں میں نکھار پیدا کرتے ہوئے اپنی منزل کو پا لیتے ہیں۔ زمانہ انہیں لوگوں کے چال چلن سے اپنا دستورِ حیات مرتب کرتا ہے۔ مؤرخ انہیں کے کردار کو "تاریخ کا عنوان قرار دے کر حیاتِ نو کی نیو اٹھاتا ہے۔

مادرِ گیتی کی انہیں تاریخ ساز شخصیتوں میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایک ایسی شخصیت تھی جس نے زندگی سے موت تک کا سفر کانٹوں پر چل کر طے کیا۔ مگر وہ عہ

زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

شاہ جی نے نہ تو کبھی وقت سے سودا کیا اور نہ وقت اُن کا ہمنوا ہو سکا۔ کشمکشِ حیات کی انہیں شاہراہوں پر مصائب و آلام سے لڑتے جھگڑتے اس جہان سے رخصت ہو گئے۔

ے آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

انگریز کی غلامی، لیگ کی سیاست اور ہندو کا مسلمان سے سلوک انہیں ہمیشہ ناپسند رہا۔ ان محاذوں پر شاہ جی نے اپنے ضمیر کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیا۔

شاہ جی ۱۸۹۱ء کو پٹنہ (ضلع بہار) میں پیدا ہوئے دینی تعلیم امرتسر میں حاصل کی۔ ہنوز سبق نامکمل تھے کہ انگریز کی غلامی کا احساس جوان ہو کر ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ یہ ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء کا دور ہے۔ جلیانوالہ باغ کا خونی حادثہ جس میں حاکم قوم نے اپنے غلاموں کے بے گناہ لہو سے ایوانِ برطانیہ کی دیواروں کو ایسا داغدار کیا کہ انگریز کا مستقبل اس داغ سے ہمیشہ کے لئے سیاہ ہو کر رہ گیا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء کو شاہ جی نے جلیانوالہ باغ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے مشترک اجلاس میں پہلی سیاسی تقریر کی۔ اور یہیں سے ان کی زندگی کا

سیاسی سفر شروع ہوتا ہے۔

عہ بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

جلیانوالہ باغ کے بسمل تڑپ رہے تھے کہ خلافتِ عثمانیہ میں ترک فرنگی کے ظلم و جور سے چیخ اُٹھے۔ پہلی جنگِ عظیم میں ترکی جرمن کا اتحادی تھا۔ اس جرم کی سزا انہیں یہ ملی کہ انگریزوں نے عربوں میں سے شریف حسین کو غداری پر آمادہ کیا۔ اُس نے حرم پاک میں بے گناہ ترکوں کا خون بہایا۔ بچوں کو نیزوں کی انیوں پر اچھالا۔ اسی طرح ترکوں کو وسط ایشیا سے نکال باہر کیا۔ ترکی یورپ کا مردِ بیمار بن کر مسلمانانِ عالم سے اپنی اعانت کا خواہاں ہوا۔ یہ صدائے بازگشت ہندوستانی مسلمانوں تک بھی پہنچی۔ یہاں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ گھر گھر خلافتِ عثمانیہ کے جھنڈے لہرانے لگے۔ مولانا شوکت علی، محمد علی کی والدہ محترمہ (بی اماں) نے بھی اپنے بیٹوں کو کہا۔

"بیٹا! جان خلافت پہ دے دو"

انگریزوں کی اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے غداری نے سارے ہندوستان کو خلافت کے محاذ پر جمع کر دیا۔ بغاوت کی آگ تھی جو برطانیہ کے خلاف بھڑک اٹھی۔ انگریزوں کی بندوقوں، پولیس کی لاٹھیاں اور ہتھکڑیوں کی جھنکار نے جیل خانوں کے دروازے کھول دئے۔ اسی دورِ سلاسل میں ترکوں کی ہمدردی کے جرم میں دیگر رہنماؤں کے ساتھ شاہ جی کو تین سال قید سخت کی سزا ہوئی اور انہیں میانوالی سنٹرل جیل میں بھیج دیا گیا۔ شاہ جی کو یہ سزا امرتسر عدالت سے ہوئی۔ یہاں سے میانوالی تبدیل کرتے وقت شاہ جی کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں اور ہاتھ ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے تھے۔ امرتسر ریلوے اسٹیشن پر سینکڑوں احباب انہیں رخصت کرنے کے لئے جمع تھے۔ جب گاڑی پلیٹ فارم سے روانہ ہونے لگی۔ تو شاہ جی نے کہا:

عہ عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

یہ ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے۔

شدھی اور سنگھٹن کی تحریک

تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی۔

ے غازی مصطفیٰ پاشا کمال وے نیزیاں دُوربلائیاں
کر بکرے یونانی جلال وے بیبا وانگ قصائیاں

یہ گیت ڈھولک کی تھاپ سے اُبھر کر پاؤں کے گھنگروؤں تک آن پہنچا۔ ہر شعر کی تان اسی پر ٹوٹتی۔

خلافت عثمانیہ کا احیاء تحریک کا پس منظر تھا۔ برطانوی سامراج کے یقین سے باہر تھا کہ ہندوستانی مسلمان ترکی کی بیمار پرسی میں یہاں تک پہنچ جائے گا کہ ایشیا مڈل ایسٹ سمیت اس کی زد میں آسکتا ہے۔ عین اُس وقت جب تحریک خلافت کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا جا رہا تھا۔ مہاتما گاندھی نے ترکِ موالات کا گھوڑا اس کے ساتھ جوت دیا۔ اس سے تحریک خلافت دو آتشہ ہو گئی۔ بدیشی مال کا بائیکاٹ۔ کالجوں اور سکولوں سے علیحدگی۔ اسی نعرے کے جواب میں وکلاء نے عدالتیں چھوڑ دیں۔ عوام گھروں سے نکل کر جیل خانوں میں جانے لگے۔ چرخہ اور کھدی کے کپڑے کا ملک میں عام چرچہ ہونے لگا۔ گاڑھے کا کپڑا نرم و نازک جسموں نے پہننا شروع کر دیا۔ ولائتی مال کے بائیکاٹ سے مانچسٹر کے کارخانے ویران ہو کر رہ گئے۔ جیل خانوں کی آبادی میں اس قدر اضافہ ہوا کہ حکام بے بس ہو کر رہ گئے۔ قریب تھا کہ یہ آگ ایوانِ برطانیہ کو جلا دیتی۔ حکومت نے اس آگ کے فرو کرنے کے انداز سوچنے شروع کئے۔ چنانچہ یکایک یہ خبر اخباروں میں شائع ہوئی کہ پنڈت مدن موہن مالوی اور سوامی شردھانند کو اچانک میانوالی جیل سے بلا شرط رہا کر دیا گیا۔

ان رہنماؤں نے رہا ہوتے ہی فرقہ وارانہ جذبات کو ایسی ہوا دی کہ ۱۹۲۳ء کو محرم کے دنوں ملتان میں ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ اور چلتے چلتے اس فساد نے سارے پنجاب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہیں سے ہندو مہاسبھائیوں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریک اٹھائی۔ جس کے مقاصد میں سرکار دو عالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا بھی شامل تھا۔ (نعوذ باللہ)

ان ناپاک ارادوں کی اطلاع جب ایوانِ افرنگ تک پہنچی تو اُن کے

ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ یہ لوگ کیا سوچ کر جیلوں میں گئے تھے اور کیا بن گیا۔ پنجابی کے مشہور انقلابی شاعر خواجہ عبدالرحیم عاجز جو ان دنوں میانوالی جیل میں قید تھے، کی نظم کا ایک مقطع یوں تھا۔

؎ واہ عاجز قسمت دے ولیا،
پکی کھیر تے بن گیا دلیا!
پھڑ ویاں پھڑیاں چڑیاں نوں
نوں ہتھوں باز گوا لیا!

اسی سال ۱۹۲۳ء کو شاہ جی اپنی معیادِ اسیری گذار کر رہا ہوئے۔ تو سارا ہندوستان فرقہ وارانہ آگ میں جل رہا تھا۔ آریہ سماج اور ہندو مہاسبھا نے خاتم الانبیاء صلعم کی بے حرمتی کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ شاہ جی اور اُن کے رفقاء جو گذرے ہوئے کل خلافت اور ترک موالات کے لئے ملک کے اتحاد کو اہم سمجھتے تھے۔ آج ہندو ذہنیت کے ماتم میں مصروف ہو گئے۔

غیر ذمہ دار ہندوؤں کی اس حرکت نے ملک کے اتحاد کو عظیم نقصان پہنچایا۔ ورنہ حال ہی میں ہندو مسلم ایک ہی برتن میں ایک دوسرے کے ہاتھ سے چھین کر پانی پی چکے تھے۔ آزادئ وطن کی محبت اور اتحاد کی دیوار کو ہندوؤں نے ایسے وقت میں توڑا۔ جب برطانیہ کو اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن آج برطانوی ایوانوں میں گھی کے چراغ روشن تھے۔

راجپال کا قتل

شدھی اور سنگھٹن کی تحریک اپنی جگہ جاری تھی۔ مگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا پروگرام اپنی جگہ الگ تھلگ بن چکا تھا۔ اس کے لئے کچھ ہندو نوجوان تیار کئے گئے تھے۔ لاہور کا مہاشا راجپال انہیں میں سے ایک تھا۔ اس نے ایک کتاب شائع کی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخی کی گئی تھی۔ ہندو مہاسبھا اور آریہ سماج کی اپنے ناپاک ارادوں کے تحت یہ پہلی جسارت تھی۔ اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ مسلمانوں میں ایک آگ سی بھڑک اُٹھی۔ ہر طرف احتجاجی جلسے ہونے لگے۔ راجپال کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی گئی مگر اُسے عدالت نے بری کر دیا۔ ہندو اس پر خوش ہوئے۔ راجپال پر دو قاتلانہ حملے ہوئے جس سے یہ معمولی زخمی ہوا۔ ان دنوں لاہور میں دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی۔ بنابریں نہ کوئی جلسہ ہو سکتا تھا۔ نہ کوئی احتجاجی جلوس نکل سکتا تھا۔ انہیں دنوں شاہ جی اور ان کے رفقاء نے، جن میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق، خواجہ عبدالرحمٰن غازی، مولانا مفتی کفایت اللہ مولانا احمد سعید دہلوی نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ ایک ایسا قانون وضع کیا جائے جس کے ذریعے کسی مذہب کے بزرگ کی توہین نہ کی جائے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اُسے سخت سزا دی جائے۔ اس مطالبے کے لئے احاطہ شیخ عبدالرحیم بیرون دہلی دروازہ میں ایک جلسہ ہوا۔ جس کی صدارت چوہدری افضل حق نے کی۔ اس جلسے میں تقریر کرتے ہوئے شاہ جی نے اپنے خطابت کے انداز میں کہا:

"مسلمانو! وہ دیکھو سامنے حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہ تمہارے دروازے پر دستک دے رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں۔ مسلمانو! تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے سامنے میرے بابا کی توہین کی جا رہی ہے اور تم چپ بیٹھے ہو۔"

شاہ جی کا یہ کہنا تھا کہ سارا مجمع دھاڑیں مار کر رونے لگ پڑا۔ اور پلٹ کر دیکھنے لگ گیا۔ جیسے واقعی حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہ سامنے کھڑی ہیں۔ ساتھ ہی شاہ جی نے یہ بھی کہا:

"مسلمانو! یاد رکھو آج کے بعد یا کہنے والی زبان نہ رہے یا سُننے والے کان نہ رہیں"۔

غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ) اسی مجمع سے اُٹھ کر گیا۔ جس نے راجپال کو جہنم رسید کر دیا۔

شاہ جی کو اس تقریر کے جرم میں دفعہ ۱۰۸ کے تحت ایک سال قید کی سزا ہوئی۔ راجپال کے بعد بہت سے ہندوؤں نے توہینِ رسالت کی جرأت کی مگر سب کے سب جہنم واصل ہوئے۔

(اس کی تفصیل میری تصنیف حیات امیر شریعت میں دیکھیں)

تحریکِ آزادئ وطن

غلامی کے بندھن توڑنا ہر غلام کا فرضِ عین ہے۔ پھر اُس قوم سے آزاد ہونا بحیثیت مسلمان اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ جس قوم نے دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہو۔

۱۹۳۰ء کی تحریک آزادئ وطن جسے عرفِ عام میں نمک ستیہ گرہ بھی کہا گیا ہے۔ گو اس کی محرک آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو قرار دیا گیا۔ لیکن شاہ جی نے اس تحریک میں مسلمان ہوتے ہوئے حصہ لیا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"وطن کی محبت جزوِ ایمان ہے"

اس تحریک سول نافرمانی میں شاہ جی نے انگریزوں کے خلاف سارے ہندوستان میں بغاوت کا علم بلند کیا اور سارے ہندوستان میں اُن کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے۔ مگر یہ دیناج پور (بنگال) سے گرفتار ہوئے۔ اور چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ یہ سزا انہوں نے ڈم ڈم جیل میں گزاری۔

اس دوران برطانوی ایجنٹوں نے بمبئی اور آگرہ میں شاہ جی پر قاتلانہ حملے بھی کرائے۔ لیکن شاہ جی کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ بمبئی کے حادثہ میں حبیب نور نام کا ایک نوجوان شہید ہوا۔ جو حملہ آور کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ اور آگرہ میں حملہ آور کو مسلمانوں نے پکڑ کر پولیس کے سپرد کر دیا تھا۔

مجلس احرار کا قیام

یُوں تو ۱۹۲۹ء میں لاہور راوی کے کنارے آل انڈیا کانگریس کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریک پر مجلس احرار عمل میں آ چکی تھی۔ جن لوگوں نے یہ جماعت قائم کی اُن میں شاہ جی کے علاوہ چوہدری افضل حق، مولانا داؤد غزنوی مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا مظہر علی اظہر، شیخ حسام الدین، مولانا ظفر علی خان، خواجہ عبدالرحمٰن غازی، مولانا عبدالقادر قصوری شریک تھے۔ لیکن تحریک نمک ستیہ گرہ کے شروع ہوتے ہی یہ سب لوگ گرفتار کر لئے گئے، اس لئے احرار کا آئندہ پروگرام ملتوی کر دیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں جب یہ حضرات جیلوں سے باہر آئے۔ احرار کی تنظیم پر از سرِ نو غور ہوا۔ اور جولائی ۱۹۳۱ء کو مجلسِ احرار کی دوبارہ تشکیل ہوئی۔

اب، کے مولانا ظفر علی خان، خواجہ عبدالرحمٰن غازی اور مولانا عبدالقادر قصوری احرار میں شریک نہیں تھے۔ یہ حضرات چونکہ کانگریس کے ہمنوا تھے اور احرار کی بنیاد کانگریس سے اختلاف کی بنا پر اٹھائی گئی تھی۔

مغل پورہ انجینئرنگ کالج

ابھی مجلس احرار کی پیدائش کو تین ماہ نہ ہونے پائے تھے کہ انجینئرنگ کالج مغلپورہ (لاہور) کے انگریز پرنسپل مسٹر ٹیگر نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جس سے مشتعل ہو کر یہ طلبا کالج سے باہر نکل آئے اور ڈاکٹر اقبال کے پاس پہنچے۔ ڈاکٹر اقبال نے پہلے تو پرنسپل کو اپنی حرکت پر معذرت کرنے کو کہا مگر وہ نہ مانا۔ آخر علامہ اقبال نے لڑکوں کو مشورہ دیا کہ وہ سب احرار کے دفتر چلے جائیں اور ساتھ ہی شاہ جی کے نام اپنا پیغام بھیج دیا۔ (شاہ جی اقبال کو مرشد اور اقبال شاہ جی کو پیر جی کہا کرتے تھے۔)

شاہ جی کو اقبال کا پیغام پہنچا۔ انہوں نے پرنسپل کو مجلس احرار کی طرف سے درخواست کی کہ آپ بچوں سے معذرت کر کے سمجھوتہ کر لیں۔ مگر وہ انگریز تھا اور پھر حکومت بھی انگریز کی۔ آخر احرار نے رات بیرون دہلی دروازہ میں شاہ جی کی تقریر کا اعلان کر دیا۔ شاہ جی نے تقریر کے دوران کہا۔

"میں اس وقت کالج پر پکٹنگ کرنے جا رہا ہوں۔ آپ میں سے کون میرے ساتھ چلے گا"

پچاس ہزار کا مجمع تھا سارے کا سارا اُن کی معیت میں جلوس کی صورت میں جانے کو تیار ہو گیا۔ رات اپنے سفر کا تیسرا حصہ ختم کر چکی تھی۔ یہ قافلہ آگے بڑھتا گیا۔ رات کا سفر اختتام کو پہنچا تاآنکہ صبح کی اذانیں سنائی دینے لگیں۔ صبح کی نماز کالج کے دروازے کے سامنے پڑھی گئی۔ اور ساتھ ہی نوجوانوں نے پکٹنگ شروع کر دی۔ کوئی طالب علم

کالج کے اندر نہیں جا سکتا تھا۔ نہ کالج کے ہوسٹل سے کوئی باہر آ سکتا تھا۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی سارا لاہور اُٹھ کر کالج پر پہنچ گیا۔ ڈپٹی کمشنر پولیس اور دوسرے حکام، پریس کے نمائندے، سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں کے علاوہ مولانا ظفر علی خان جو اس وقت تک لاہور سے باہر تھے موقعہ پر پہنچ گئے۔

مجلس احرار کا وفد مہاراجہ کشمیر سے ریاستی امور پر ایک روز پیشتر کشمیر روانہ ہوا تھا۔ اس میں سے مولانا مظہر علی اظہر فوراً لاہور پہنچ گئے۔ اسی دوران شاہ جی اور مولانا داؤد غزنوی کو امن عامہ کے تحت گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اور اُن کے ساتھ دوسرے رفقاء بھی۔

اب دوپہر ہو چکی تھی۔ راقم کو جماعت کی طرف سے حکم ہوا کہ جو رضاکار صبح سے پکٹنگ پر کھڑے ہیں اُن میں چنے تقسیم کرنے کالج کے دروازے پر جاؤں مگر پولیس نے دروازہ روک رکھا تھا۔ میرے اور پولیس کے درمیان جھگڑا شروع ہوا۔ اُن کا کہنا تھا کہ اُن کے آفیسروں کا حکم ہے کہ کوئی غیر طالب علم اندر نہ جائے۔ میرا اصرار تھا کہ مجھے میرے آفیسروں کا حکم ہے کہ میں اندر جا کر چنے تقسیم کروں۔ چنانچہ جیسے ہی میں آگے بڑھا، پولیس کے سپاہی نے میرے ہاتھ پر اس زور سے ڈنڈا مارا کہ میرے ہاتھ کے پانچے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ اتنے میں کسی نے جلدی سے آگے بڑھ کر مجھے اُٹھا لیا اور ایک طالب علم کی تختی چھین کر میرے ہاتھ پر پٹی باندھ دی۔ دائیں ہاتھ پر یہ نشان اب بھی باقی ہے۔

بالآخر چڑھی ہوئی ندی اُترنا شروع ہوئی۔ انگریز پرنسپل کا غرور ٹوٹا۔ اور وہ مجاہدین کے پاؤں چاٹنے لگا دوسرے روز مولانا مظہر علی اظہر، سٹی مجسٹریٹ نتھو رام اور مولانا ظفر علی خان کی موجودگی میں پرنسپل نے مسلمانوں سے معافی مانگی۔ اس پر شاہ جی، مولانا داؤد غزنوی اور دیگر رفقاء رہا کر دئے گئے۔ علامہ اقبال تک یہ اطلاع پہنچی تو انہوں نے شاہ جی اور مولانا داؤد غزنوی کو مبارک باد دی۔ یہ ستمبر ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے۔

امیر شریعت کا خطاب

گذشتہ واقعات میں جن حالات سے شاہ جی کو گذرنا پڑا اُن میں آزادیٔ وطن کے ساتھ ساتھ ہندو مہاسبھا اور آریہ سماج کی تحریک شدھی و سنگھٹن بھی شامل ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا پہلو نمایاں تھا۔ اس موقع پر شاہ جی نے جس جرأت، دلیری اور ایمان پروری سے اس تحریک کا مقابلہ کر کے ہندوؤں کے ناپاک ارادوں کو شکست دی۔ اس سے متاثر ہو کر مارچ ۱۹۳۰ء کے آخری ہفتہ میں لاہور انجمن خدام الدین کے سالانہ اجلاس میں جس کی صدارت دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری نے فرمائی۔ اس میں شاہ جی بھی شریک تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے فرمایا:

"دین کی قدریں بگڑ رہی ہیں۔ چاروں طرف کفر کی یلغار ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کرنا چاہئیے۔ اس کے لئے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منتخب کرتا ہوں۔ وہ نیک بھی ہیں اور بہادر بھی۔ اس وقت تک انہوں نے فتنہ شاتم رسول اور شاردھا ایکٹ کے سلسلے میں جس جرأت اور دلیری سے دین کی خدمات انجام دی ہیں۔ آئندہ بھی اُن سے ایسی ہی توقع ہے۔"

یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھ شاہ جی کے ہاتھ میں دے دئے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا:

"آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ بلکہ حضرت نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیا ہے۔"

اس وقت جن حضرات نے شاہ جی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُن میں مولانا احمد علی لاہوری، مولانا ظفر علی خان، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی سرِ فہرست ہیں۔

تحریکِ کشمیر

حکومت کی سیاسی ضرورتیں اور پھر حکومت بھی فرنگی کی جو اپنے ارادے کی تکمیل سے سو برس پیشتر سوچتی ہے۔

کشمیر کی تحریک ایسی ہی ایک سوچ و فکر کا نتیجہ تھا اور ہے (کاروانِ احرار کی پہلی جلد میں بمعہ اس کے پس منظر کے راقم نے اس کی تفصیل درج کر دی ہے) اس تحریک میں مرزائیوں کا کہاں تک ہاتھ تھا۔ یہ داستان بھی قابلِ ذکر ہے۔ احرار کا وفد ابھی ڈوگرہ شاہی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ ان دنوں شیخ عبداللہ جو خود مرزائیوں کے ہتھے چڑھے ہوئے تھے، بھی احرار کی اس تحریک کے خلاف تھے۔ انگریز اپنی لگائی ہوئی آگ کا تماشا دُور سے دیکھ رہا تھا۔

احرار اس سلسلے میں دوگونہ مشکلات میں تھے۔ ایک طرف کشمیر کمیٹی کا صدر مرزا بشیر الدین محمود جسے خود ڈاکٹر اقبال نے منتخب کر دیا تھا۔ اس سے احرار کو یہ شبہ گذرا کہ کہیں کشمیری مسلمان جو اسلام سے کماحقہٗ آشنا نہیں۔ مرزائیوں کے ہتھکنڈوں میں آکر ایمان نہ ضائع کر بیٹھیں۔ دوسری طرف برطانوی حکمران اس بساط پر اپنے مہرے کھلا رہے تھے۔ اسی دوران شاہ جی اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی علامہ اقبال سے ملے اور انہیں تمام نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ جس کے نتیجے میں بشیر الدین محمود کو کشمیر کمیٹی سے الگ کر دیا گیا اور تحریک کی ذمہ داری احرار کے سپرد کر دی گئی۔

تحریک کا آغاز ہی تھا کہ شاہ جی نے دہلی کے جلسہ عام میں کشمیر کی ساری پوزیشن واضح کرتے ہوئے اس سازش کا ذمہ دار برطانیہ کو ٹھہرایا۔ جس سے انگریز اس محاذ پر عُریاں نظر آنے لگا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ برطانیہ روس کے خوف سے گلگت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔

اسی جرم میں شاہ جی کو دہلی میں دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ تا کہ شاہ جی کی کہی ہوئی بات اور انگریز کی یہ سازش مزید نشر نہ ہو، مقدمہ کی کاروائی مختصر کرتے ہوئے شاہ جی کو ایک سال قید سخت کی سزا دے دی گئی۔

قادیان کانفرنس

مرزائی فرقہ باطلہ ہوتے اور برطانوی ایجنٹ ہوتے ہوئے مسلمانانِ عالم کے لئے گذشتہ پون صدی سے پریشانی کا باعث چلے آ رہے تھے۔ بظاہر انہوں نے اپنے پر مسلمان ہونے کا لیبل چسپاں کر رکھا تھا۔ لباس اور ظاہری شکل و صورت میں بھی یہی روپ دھار لیا تھا۔

اپنی بنیاد کے ساتھ مجلس احرار نے مرزا غلام احمد قادیانی کے لٹریچر کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا تو یہ صورتِ حال نکھر کر سامنے آگئی کہ یہ گروہ مشکوک ہے۔

کائنات پر ہر ذی رُوح کو چلنے پھرنے اور زندہ رہنے کا حق حاصل ہے لیکن بہروپیا بن کر نہیں بلکہ اصلی خدوخال کے ساتھ۔ یہ نہیں کہ بھگیاڑ اور لومڑ شیر کی کھال اوڑھ کر اپنے ہم جنسوں کو فریب دیتے پھریں۔

۱۹۳۱ء کے آخر میں مجلس احرار نے قادیان میں اپنا دفتر قائم کیا۔ اور ۱۹۳۴ء میں یہاں پہلی تبلیغ کانفرنس منعقد کی۔ انگریز ان دنوں مرزائیوں سے خوشنود تھا۔ اسی وجہ سے مجلس احرار کو وہاں کانفرنس کرنے کی اجازت مل گئی لیکن شہر سے دو میل باہر۔ اس کی صدارت شاہ جی نے کی۔ اپنی صدارتی تقریر میں شاہ جی نے مرزائیوں کی تاریخی حیثیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ جس پر شاہ جی کو دفعہ ۱۰۸ اور ۱۰۷ کے تحت مسوری (ضلع سہارنپور یوپی) سے گرفتار کر لیا گیا۔ اور دوسرے روز ڈیرہ دون میں انہیں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

شاہ جی پر یہ مقدمہ گورداسپور کی عدالت میں قریباً تین ماہ زیر سماعت رہا۔ دوران مقدمہ گورداسپور میں تبلیغی اجتماعات ہوتے رہے۔ جس میں قریباً لاکھ کے قریب مسلمانوں نے شاہ جی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آخر شاہ جی کو چھ ماہ قید کی سزا دی گئی۔ اس سزا کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل کر دی گئی۔ ان دنوں مسٹر جی ڈی کھوسلہ گورداسپور میں سیشن جج تھے۔ انہوں نے شاہ جی کی اپیل کا فیصلہ سناتے ہوئے تا برخاست عدالت کی سزا دی۔ مسٹر کھوسلہ نے اس مقدمے کا جو فیصلہ لکھا تاریخ قادیان میں اُس کی بڑی اہمیت ہے۔

قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی

شاہ جی مقدمہ سے فارغ ہوتے

تو مقامی مجلس احرار کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ پہلا جمعہ شاہ جی قادیان میں پڑھائیں گے۔ قادیان کانفرنس کی اجازت سے مرزائیوں اور حکومت کے درمیان جو تلخی پیدا ہو گئی تھی۔ انگریز نے اس کا ازالہ اس طرح کیا کہ قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی عائد کر دی۔ تاہم اس پابندی کو توڑنے کے لئے شاہ جی مقررہ تاریخ پر امرتسر سے قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔ بٹالہ اسٹیشن تک عوام نے شاہ جی کا والہانہ استقبال کیا۔ مگر بٹالہ اسٹیشن پر پولیس نے شاہ جی کو نوٹس دیا کہ:

"چونکہ قادیان میں آپ کے داخلے پر حکومت نے پابندی عائد کر دی ہے لہٰذا آپ اس ارادے سے باز رہیں۔"

شاہ جی نے پولیس کا یہ نوٹس پھاڑ دیا اور قادیان کے لئے روانہ ہو پڑے۔ اس موقعہ پر سینکڑوں احباب اُن کے ساتھ چل دیے۔ آخر بٹالہ اور قادیان کے جنیتی پور ریلوے اسٹیشن پر شاہ جی کو گرفتار کر لیا گیا۔ باقی تمام لوگ قادیان میں پہنچ گئے جن میں راقم بھی شامل تھا۔ وہاں پہنچ کر مرزائیوں کی عبادت گاہ کے برابر مسلمانوں کی مسجد تھی۔ جسے بیری والی مسجد کہتے تھے۔ راقم نے وہاں مرزائیت کے خلاف تقریر کی جس کی سزا یہ ملی کہ آئندہ جمعہ قادیان جاتے ہوئے مجھے بٹالہ اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا اور تین ماہ قید سخت کی سزا ہوئی۔

شاہ جی کو اس مقدمہ میں تین ماہ کی سزا ہوئی اور انہیں گورداسپور سے لاہور سنٹرل جیل میں تبدیل کر دیا گیا (جہاں آجکل شادمان کالونی ہے)

مسجد شاہ چراغ کی واپسی

۱۹۳۶ء کے سال کو خصوصاً پنجاب کے لئے بڑا ہنگامہ خیز کہا سکتا ہے۔ اس سال ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت نئے انتخابات کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پنجاب کی سیاست پر ان دنوں مجلس احرار پوری طرح قابض تھی۔ میاں سر فضل حسین پنجاب کی وزارتِ عظمٰی کے اُمیدوار تھے۔ اس کے لئے وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل سے مستعفی ہو کر پنجاب میں آن بیٹھے تھے۔ سر سکندر حیات کا زمیندار طبقہ پر اثر تھا مگر انہیں بنکوں کا گورنر بنا کر بمبئی بھیج دیا گیا۔ میاں صاحب نے یونینسٹ پارٹی کی بوسیدہ عمارت کو نئے سرے سے لیپ پوت کر رنگ و روغن سے آراستہ کیا۔ تاہم مجلس احرار کے وقار کو کیسے ضائع کیا جائے۔ یہ سوال بڑا اہم اور ضروری تھا۔

سر فضل حسین بڑے زیرک قسم کے انسان تھے۔ ۱۹۲۳ء، ۱۹۲۴ء میں پنجاب کے وزیر تعلیم رہ چکے تھے۔ پنجاب کے حالات سے واقفیت رکھتے تھے۔ یہاں کی شخصیتوں سے بھی آشنا تھے، کون کتنے پانی میں تیر رہا ہے۔ اس سے بھی واقف تھے۔ البتہ مجلس احرار کے سیاسی عروج سے انہیں خوف تھا۔ انگریز کا منشا بھی نہیں تھا کہ مجلس احرار آئندہ الیکشن میں کامیاب ہو۔

ان واقعات کے پس منظر میں جھانکتے سر فضل حسین نے ڈلہوزی (ضلع پٹھانکوٹ) میں انجانے راستوں سے مرزا بشیر الدین محمود اور مولانا ظفر علی خان کو ڈلہوزی کی یخ بستہ ہواؤں میں اپنے سے ملاقات کی دعوت دی۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مولانا ظفر علی خان مجلس احرار کے مقابل اپنی جماعت اتحادِ ملت قائم کر چکے تھے۔ ان کا موقف مجلس احرار سے مختلف تھا۔ احرار کے رضاکاروں کی وردی سُرخ تھی۔ اور اتحاد ملت نیلی پوش کہلاتے تھے۔ مولانا ظفر علی خان کا اخبار زمیندار اور احرار کے اخبار آزاد کے مابین بھی آمنا سامنا رہتا تھا۔

مرزائی تو تھے ہی احرار کے خلاف اور خود مولانا ظفر علی خان بھی مرزائیوں کے ازلی دشمن تھے۔ اس حقیقت کے ہوتے ہوئے ان دونوں کا (بشیر الدین محمود اور مولانا ظفر علی خان) سر فضل حسین کی دعوت پر ڈلہوزی جمع ہونا بڑا معنی خیز معلوم ہوا۔ اس ملاقات کے نتیجے میں مجلس احرار پر کیا تباہی آئی اس کے لئے کاروان احرار کی دوسری جلد ملاحظہ ہو۔ مسجد شہید گنج کا انہدام اس ملاقات کا دوسرا نتیجہ تھا۔ انہیں دنوں کا ذکر ہے جب مجلس احرار پر مسجد شہید گنج کا ملبہ گرا دیا گیا تھا۔ شاہ جی نے لاہور شاہی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"عزیز دوستو! مسجد شہید گنج کا انہدام بڑا افسوسناک واقعہ ہے، یہ کیوں اور کیسے گرائی گئی اس کا آپ کو بخوبی علم ہو چکا ہے۔ مگر لاہور کی ایک اور مسجد کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جو گذشتہ پچاس سال سے حکومت کے قبضے میں ہے اور اس میں حکومت نے اپنے دفاتر بنا رکھے ہیں۔ وہ مسجد شاہ چراغ ہے ہائیکوٹ کے برابر اور بڑے ڈاکخانے کی پشت پر واقع ہے۔ اس کے حاصل کرنے کی آپ لوگوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ اس لئے کہ وہ حکومت کے قبضے میں ہے۔ چلو پہلے اس کو حکومت سے حاصل کریں۔"

اس پر تمام لوگ حیران رہ گئے آپس میں کھسر پھسر شروع ہو گئی۔ ممکن ہے اس کے لئے شاہ جی کوئی اقدام کرتے کہ اگلے روز کے اخبارات میں حکومت نے اعلان کیا کہ:

"حکومت پنجاب نے مسجد شاہ چراغ سے اپنے تمام دفاتر اُٹھا لئے ہیں۔"

دفعہ ۳۰۲

پہلی بڑی لڑائی کے اختتام پر برطانیہ نے ہندوستان سے کئے گئے وعدوں کی جس طرح مٹی پلید کی اور اسی جُرم کی پاداش میں کہ عوام نے انہیں وعدے یاد دلائے تو جلیانوالہ باغ میں خون خرابہ ہوا۔ اس کے پیش نظر دوسری جنگ عظیم کے سلسلے میں ہندوستان نے اس مرتبہ برطانیہ سے کسی طرح کے تعاون سے انکار کر دیا تھا۔

۳ر ستمبر ۱۹۳۹ء کو جیسے ہی لندن میں برطانوی پارلیمنٹ نے جرمن کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ ۱۱ ستمبر کو آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی نے امرتسر میں انگریز کی فوج میں بھرتی کے خلاف اپنی قرارداد منظور کر کے ہندوستان بھر میں سب سے پہلے برطانیہ سے لڑائی شروع کر دی۔ آل انڈیا کانگریس منہ دیکھتی رہ گئی۔

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔!
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اس پر ورکنگ کمیٹی سمیت احرار رہنما اور کارکن گرفتار کر لئے گئے۔ مگر شاہ جی نے اس سلسلے میں پنجاب کا قریہ قریہ، شہر اور بستیوں میں شب و روز گھوم پھر کر فوجی بھرتی کے خلاف عوام کو انگریزوں سے بغاوت پر آمادہ کیا اور بھرتی ہونے سے روکا۔ چونکہ پنجاب خصوصاً ضلع گجرات، جہلم، راولپنڈی، سرگودھا اور میانوالی یہ اضلاع انگریز کے بازوئے شمشیر زن کہلاتے تھے۔ لہٰذا انہیں ضلعوں کو شاہ جی نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا۔ مگر تا ہکہ پنجاب میں سر سکندر حیات کی وزارت تھی۔ اور یہ خاندان برطانیہ کا ازلی وفادار تھا۔ یہ کیسے برداشت کرتا کہ شاہ جی ان اضلاع میں فوجی بھرتی میں رکاوٹ پیدا کریں۔ بالآخر شاہ جی کو ۱۲۴ الف، ۱۱۸، ۳۰۲ اور پھر ۳۰۲ دفعات کے تحت لالہ موسیٰ اور گجرات کے اضلاع کی تقاریر کی بنیاد پر گرفتار کر لیا گیا۔

یہ مقدمات ۱۹۴۲ء تک ماتحت عدالتوں میں سیشن کورٹ اور پھر ہائیکورٹ تک پہنچے۔ ان مقدمات میں سرکاری گواہ لالہ لدھا رام نے سر سکندر حیات پر الزام لگایا تھا کہ اُس کے کہنے پر اس نے اصل ڈائری میں ردو بدل کیا تھا۔ اس بنیاد پر یہ مقدمات اس قدر سنگین نوعیت اختیار کر گئے کہ چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ مسٹر سر ڈگلس ینگ کی عدالت میں انہیں بہت شہرت ملی۔ بالآخر شاہ جی کو رہا کر دیا گیا۔ اور سرکاری گواہ لدھا رام کو تین سال قید کی سزا ہوئی۔

ان دنوں ہائیکورٹ کی رونق قابلِ دید ہوتی تھی۔ پنجاب بھر کے عوام، وکلاء اور پریس کا ایک میلہ سا لگا رہتا۔ اس مقدمہ کے اکثر گواہ مسلمان تھے۔ سب نے شاہ جی کے خلاف جھوٹی شہادتیں دیں لیکن

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے

ایک کافر نے سچی گواہی دے کر شاہ جی کو ان سنگین مقدمات سے بچا لیا۔ اگر شاہ جی کو ان مقدمات میں سزا ہوتی تو انہیں دو دفعہ پھانسی پر لٹکایا جاتا۔

ناخدا جن کا نہ ہو اُن کا خدا ہوتا ہے

قائد اعظم سے ملاقات کی درخواست

ؔ فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

ہائیکورٹ سے رہائی کے بعد کچھ دیر شاہ جی نے آرام کیا اور بعد میں کشمیر چلے گئے۔ سرینگر سے پندرہ میل اِدھر "سوپور" نام کے گاؤں میں اپنے مرید خواجہ غلام محمد بٹ کے ہاں ٹھہرے۔ ۱۹۴۶ء میں واپس آئے تو تحریک پاکستان زوروں پر تھی۔ اس تحریک سے متعلقہ نشیب و فراز کا بغور مطالعہ کیا۔ دوستوں سے سمجھنے کی کوشش کی۔ جب تقسیم ملک سمجھ میں نہ آئی تو دہلی پہنچ کر جلسہ عام میں تقریر کے دوران مسلم لیگ کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح سے درخواست کی کہ:

"قائد اعظم صاحب! آپ کی بات یا مطالبۂ تقسیم ملک میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ مجھے حکم کریں میں خود بمبئی حاضر ہو کر آپ سے بات سمجھ لوں۔ اگر آپ کی بات میری سمجھ میں آگئی اور میرے ضمیر نے اُسے قبول کر لیا تو پھر آپ مالا بار ہل پر آرام کریں۔ میں اکیلا ہندو اور انگریز سے لڑ کر آپ کو پاکستان لے کر دوں گا۔"

تقریر کے دَوران شاہ جی نے اپنی ٹوپی اُتار کر مجمع کے سامنے کہا:

"مسٹر جناح! میں نے آج تک یہ ٹوپی انگریز کے سامنے نہیں اُتاری مگر آج آپ کے پاؤں میں رکھتا ہوں۔ خدا کے لئے مجھے سمجھاؤ کہ پاکستان کیا ہوگا۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تجویز کے مطابق ہندوستان کا مسلمان تین حصوں میں بٹ جائے گا۔ اور ہندو جسے ساری تاریخ میں برصغیر کی کبھی حکومت نصیب نہیں ہوئی سارے ہندوستان کا وارث بن جائے گا۔"

اسی طرح کی تقریریں آپ نے سارے ہندوستان میں کیں مگر قائد اعظم کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا اور نہ قائد اعظم نے انہیں ملاقات کی دعوت دی۔ اس پر آپ نے احرار ورکنگ کمیٹی کے سامنے پاکستان کے خلاف اپنی قرار داد پیش کی (یہ قرار داد میری تصنیف حیات امیر شریعت میں درج ہے)

۲۶-اپریل ۱۹۴۶ء

حالات اس قدر آگے بڑھتے جا رہے تھے کہ نیشنلسٹ مسلمان اپنے مؤقف پر ہر روز پختہ سے پختہ تر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ بالآخر ۲۶- اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی اردو پارک کے میدان میں پانچ لاکھ سے زائد کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

(اس اجلاس کی صدارت حضرت مدنیؒ کی جبکہ سٹیج سیکرٹری شیخ حسام الدین مرحوم تھے۔ کم و بیش ۵ لاکھ انسان اس مجمع میں موجود تھے اسٹیج پر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، ماسٹر تاج الدین اور جمعیۃ علماء ہند کے اکابر تشریف فرما تھے۔ امیر شریعت کی آمد کے بعد ایک دوسرا قافلہ پہنچا جس میں مولانا آزاد، پنڈت نہرو، برطانوی مشن کے سربراہ لارڈ لارنس وغیرہ شامل تھے۔

بخاری صاحب کی قرآن خوانی کے بعد پنڈت جی وغیرہ واپس چلے گئے اور یہ کہا کہ میں قرآن سُننے آیا تھا برطانوی مشن کے سبب مصروفیت بہت ہے۔

شاہ جی نے خلافِ معمول خطبہ سے قبل تین مرتبہ مجمع سے درود شریف پڑھایا اور فرمایا یہ میں نے اس لئے کیا کہ صبح اخبار یہ نہ لکھیں کہ اتنے بڑے مجمع میں مسلمان کوئی نہ تھا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:)

"حضرات! مجھے آج کوئی تقریر نہیں کرنی، بلکہ چند حقائق ہیں جنہیں بلا تمہید عرض کروں گا۔ اس وقت آئینی اور غیر آئینی دنیا میں اس کا تعلق ایشیا سے ہو یا یورپ سے، جو بحث چل رہی ہے، وہ یہ ہے کہ ہندو اکثریت کو مسلم اقلیت سے جدا کر کے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ قطع نظر اس بحث کے کہ مجھے پاکستان بن جانے کا اسی قدر یقین ہے جتنا کہ اس بات پر کہ صبح سورج مشرق سے طلوع ہونے والا ہے، لیکن یہ پاکستان وہ پاکستان نہیں ہوگا جو اس وقت کے دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے ذہنوں میں موجود ہے، اور جس کے لئے آپ بڑے

خلوص سے کوشاں ہیں، ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

بات جھگڑے کی نہیں، سمجھنے اور سمجھانے کی ہے! تحریک پاکستان کی قیادت کرنے والوں کے قول و فعل میں بنیادی تضاد ہے۔ اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلا دے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبے کی کسی گلی میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے، تو میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ رہنے کے لئے تیار ہوں لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے، جن کا اٹھنا، بیٹھنا، جن کا سونا، جاگنا، جن کی وضع قطع، رہن، سہن، بول چال، زبان لباس، غرض کوئی چیز اسلام کے مطابق نہ ہو، وہ ایک قطعہ زمین پر اسلامی قوانین کس طرح نافذ کریں گے؟"

کلہاڑی کو دونوں ہاتھوں پر اُٹھا کر امیر شریعتؒ نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے نقطے سمجھاتے ہوئے کہا:

"ادھر مغربی پاکستان ہوگا ادھر مشرقی پاکستان، درمیان میں چالیس کروڑ ہندو کی حکومت ہوگی، لالوں کی حکومت، لالے دولت والے، لالے ہاتھیوں والے، ہندو اپنی عیاری اور مکاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرے گا۔ کمزور بنانے کی ہر کوشش کرے گا۔ آپ کے دریاؤں کے پانی روک دئے جائیں گے۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور آپ کی حالت یہ ہوگی کہ بوقتِ ضرورت مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کی، اور مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی مدد کرنے سے قاصر ہوں گے۔ پاکستان پر چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان، زمینداروں صنعت کاروں کے خاندان ہوں گے، جو اپنی من مانی کارروائیوں سے عوام الناس کو پریشان کر کے رکھ دیں گے۔ غریب کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ امیر دن بدن امیر تر ہو جائیں گے۔ اور غریب، غریب تر۔"

رات کافی بھیگ چکی تھی۔ حضرت امیر شریعتؒ اپنی سیاسی بصیرت اور سوجھ بوجھ کے موتی بکھیر رہے تھے۔ مستقبل سے ناآشنا مسلمان منہ کھولے انجانے واقعات حیرت سے سن رہے تھے۔ اسی طرح ہندو سے خطاب کرتے ہوئے امیر شریعتؒ نے کہا:

"پاکستان کی بنیاد ہندو کی مسلمان دشمنی پر استوار ہوئی ہے، دولت سے پیار کرنے والے ہندو نے، گائے کی پوجا کی، پیپل مہاراج پر پھول چڑھائے، چیونٹیوں کے بلوں پر چاول ڈالے، سانپ کو دیوتا مانا لیکن مسلمان سے ہمیشہ نفرت کی۔ اس کے سائے تک سے اپنا دامن بچائے رکھا، پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ بڑے سے بڑے ہندو نے اچھوتوں پر اپنے مندروں کے دروازے کھول دئے۔ لیکن مسلمان سے اس قدر نفرت کی کہ اس کے لئے دل کے دروازے کبھی وا نہ کئے ـــــ آج اسی نفرت کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنا الگ وطن مانگنے پر مجبور ہوا ہے۔ کانگرس یہ سب کچھ دیکھ کر بھی مصلحتاً خاموش رہی۔ اگر کانگرسی رہنما، ہندو مہاسبھا، آریہ دل اور اسی قسم کی تحریکوں کو اپنے اثر سے ختم کر دیتے تو مسلم لیگ کے پنپنے کی یہاں کوئی گنجائش نہ ہوتی، مگر میں کیا کروں، یہ کوڑھ کانگرس کے اندر سے پھوٹا ہے۔ جو بیماری جسم کے اندر سے پیدا ہو، اس کا علاج باہر کے اثرات کیسے کر سکتے ہیں۔ کانگرس نے ہمارے ساتھ بھی نباہ نہ کیا۔ اگر مسلم لیگ سے بگاڑی تھی، تو نیشنلسٹ مسلمان کی بات ہی مان لی ہوتی۔ آج اسقدر قربانیوں کے باوجود فرنگی کو اپنا ثالث مان رہے ہو۔ اے کاش! ہم سے نہیں تو مسلم لیگ ہی سے نباہی ہوتی، تاکہ آپس میں بیٹھ کر کوئی معاملہ طے کر لیا جاتا۔ لیکن اسقدر قربانیوں کے باوجود آج فرنگی کو اپنا ثالث مان رہے ہو۔"

آخر میں امیرِ شریعت نے زوردار آواز میں کہا:

"مسلم لیگ اور کانگرس دونوں میری بات سُنو!

ؔ احباب جمع ہیں میؔر دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

یاد رکھو! اگر تم باہم مل کر بیٹھ کر کوئی معاملہ طے کر لیتے تو الگ الگ رہ کر بھی شیر و شکر رہتے، مگر تم نے فرنگی سے اپنا انصاف مانگا ہے، وہ تم دونوں کے درمیان کوئی نہ کوئی ایسا فساد ضرور پیدا کر جائے گا کہ تم دونوں قیامت تک چین سے نہیں بیٹھ سکو گے۔ آج تلواروں اور لاٹھیوں سے لڑتے ہو، تو آنے والے کل کو توپ اور بندوق سے لڑو گے۔ تمہاری اس نادانی سے انسانیت کو جو نقصان ہوگا، عورت کی جو توہین ہوگی اور شرافت جس بُری طرح برصغیر میں زخمی ہوگی، اس کے لئے تم دونوں مجرم ٹھہرو گے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا"

امیر شریعتؒ کی یہ تقریر تقریباً ساڑھے پانچ گھنٹے جاری رہی، تا آنکہ شاہی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی اور صبح کی نماز اسی جگہ ادا کی گئی۔

وقت ابھی اس قدر دور نہیں گیا کہ اُسے آواز دینی پڑے چھتیس برس ہی تو ہوئے ہیں۔ قوموں کی زندگی میں اتنا عرصہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ آؤ اس فریم کی تصویر کو غور سے دیکھیں کہ ایک مردِ درویش نے چھتیس برس پیشتر جو کہا تھا۔ وہ افسانہ تو نہیں تھا؟

تحریک ختم نبوت اور سکھر جیل

۱۷ جنوری ۱۹۴۹ء کو تقسیم ملک کے بعد شاہ جی نے اپنی جماعت (مجلس احرار) سمیت سیاسیات سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے لئے تبلیغ دین کا میدان منتخب کر لیا اور مجلس تحفظ ختم نبوت بنا کر قادیانیوں کا محاسبہ شروع کر دیا۔

قادیان سے فرار ہو کر مرزائیوں نے چنیوٹ کے قریب پہاڑیوں کے درمیان چناب کے کنارے اپنے لئے جو ٹھکانہ تجویز کیا۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ جگہ پاکستان ایسی نوزائیدہ مملکت کے لئے بڑی حد تک خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ جبکہ مرزائی لیڈر کا موقف تھا کہ تقسیم ملک عارضی ہے یہ بہت جلد اکھنڈ ہندوستان ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے قادیانیوں کا اس جگہ قیام کرنا سیاسی اور عسکری اعتبار سے نہایت خطرناک سمجھا جا سکتا تھا۔ شاہ جی کو ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ مرزائی پاکستان کے اندر الگ ریاست کا اعلان کر دیں اور قریب کے ملک انگریز دوستی یا پاکستان دشمنی کے باعث اسے فوراً تسلیم کریں۔ کیونکہ اس کا محل وقوع ایسا ہی تھا۔ اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے شاہ جی نے حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ اس گروہ کا جلد محاسبہ کیا جائے۔ اس دوران انہوں نے حکومت سے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری سر ظفر اللہ (مرزائی) کا اس عہدے سے علیحدگی کا مطالبہ بھی کیا۔ نیز اس کے لئے شاہ جی نے مسلمانانِ پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کو شامل کر کے ایک جماعت مجلس عمل کے نام سے تشکیل دی جس کے صدر مولانا ابوالحسنات (بریلوی مکتبہ فکر) مقرر کئے گئے۔

یہ خواجہ ناظم الدین کی حکومت کا دور ہے۔ پنجاب میں ممتاز محمد خان دولتانہ کی وزارت تھی۔ دولتانہ مرکزی حکومت پر قبضہ کرنے کا خواہشمند تھا۔ اس لئے اس نے پنجاب میں تحریک ختم نبوت کا رُخ مرکز کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں نے حکومتِ پاکستان کو چیلنج کیا کہ وہ مقررہ تاریخ کو کراچی پہنچ کر اپنی تحریک کا آغاز کریں گے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر سب کے سب رہنما کراچی پہنچ گئے۔ دوسرے روز تحریک کے آغاز کا پروگرام تھا کہ ۲۶ اور ۲۷ فروری ۵۳ء کی درمیانی رات کو شاہ جی سمیت تمام مرکزی رہنماؤں کو گرفتار کر کے کراچی کے بعد سکھر جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔

اس جیل میں شاہ جی کو خوراک کے طور پر اُبلے ہوئے چاول اور مسور کی دال دی گئی۔ حالانکہ انگریز نے شاہ جی کے ساتھ ہمیشہ جیل میں بہتر کلاس کے قیدی کا سلوک کیا۔ باوجود کہ شاہ جی انگریز کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ مگر پاکستان میں اور خصوصاً تحریک ختم نبوت میں ان کے ساتھ مسلم لیگی حکومت نے جو سلوک کیا وہ تاریخ کا ایک الگ باب ہے۔ شاہ جی چونکہ شوگر کے مریض تھے۔ لہٰذا موجودہ خوراک نے ان کی بیماری میں مزید اضافہ کیا۔ تاہم شاہ جی نے اس پر نہ تو کوئی احتجاج کیا اور نہ ہی کوئی مطالبہ۔ ڈیڑھ سال کے بعد جب رہا ہو کر آئے تو بیماری جڑ پکڑ

[illegible] ۱۲، ۱۳ اگست ۱۹۸۱ کو [illegible] اپنی ذمہ داریاں نبھا کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

بادلِ نخواستہ

ایک ضروری وضاحت

صحیح تاریخ یاد نہیں رمضان المبارک سے کچھ پہلے مجلس تحفظ ختم نبوّت کے مبلّغ مولانا محمد اسلم صاحب قریشی کے ظالمانہ اغوا کے سلسلہ میں ایک جلسہ مجلس ہی کی جانب سے دو دن مسجد شہدا لاہور میں منعقد ہوا۔ دو دن کے اجلاسوں کی صدارت مجلس کے سربراہ مخدومی مولانا خان محمد صاحب زید مجدھم نے فرمائی۔ پہلے دن احقر لاہور میں نہ تھا۔ اگلے دن واپسی پر مسجد شہداء کے خطیب قاضی محمد یونس صاحب انور سے گذشتہ رات کی کاروائی کا علم کر کے پریشانی ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ رات جلسہ میں اچھی خاصی ہنگامہ آرائی ہوئی جس کا سبب جلسہ کے دو مقررین تھے۔ قلق سخت ہوا۔ لیکن میرے جیسا مظلوم و بے نوا کیا کر سکتا تھا؟ قاضی صاحب اور میری ملاقات ۱۱ بجے دن کے قریب ہوئی۔ اس وقت ہم نے مسجد کی دیواروں پر بعض اشتہار لگے دیکھے جن کے مضمون کا خلاصہ اس طرح کا تھا کہ مجلس سیاسیات کا شکار ہو رہی ہے جبکہ امیر شریعت قدس سرہٗ نے اسے تبلیغ اسلام و تحفّظ عقیدہ ختم نبوّت کے لئے قائم کیا تھا۔ لہٰذا خدام ختم نبوّت اور امیر شریعت کے مشن کے ورثا کا فرض ہے کہ اس کو بچائیں ——— اشتہار بازی اچھی نہیں اس لئے اس سے بھی رنج ہوا اور میں نے سوچا کہ جن لوگوں نے یہ اشتہار چھاپا ہے وہ اس کے بغیر بھی اصلاح احوال کی کوشش کر سکتے تھے ——— عقیدہ ختم نبوت ہر مسلمان کے ایمان کا حصّہ ہے اور موجودہ امیر مجلس سمیت جملہ اکابر مجلس (مرحومین اور زندہ) سے جذباتی وابستگی رات جلسہ میں لی گئی وہاں نہ بتّی نہ لاؤڈ سپیکر۔ لوگ پریشان ——— اسی اثنا میں ایک لاہوری دوست نے بتلایا کہ یہ اشتہار جو مسجد کی دیواروں پر لگے ہیں اس کی ذمہ داری تم پر اور مولانا زاہد الراشدی پر ڈالی جا رہی ہے ——— یہ شوشہ بقول لاہوری دوست واپڈا کے ایک سرکاری ملازم نے چھوڑا۔ جو مرحوم و مغفور مفتی صاحب کے ساتھ نتھی رہتا آج کل حضرت مولانا خان محمد صاحب، حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب اور حضرت مولانا محمد شاہ امروٹی جیسے بزرگوں کے ساتھ نظر آتا ہے ——— مجھے معلوم نہیں کہ ایک سرکاری ملازم ان سیاسی بزرگوں کے ساتھ ہر وقت کیوں رہتا ہے؟ اپنی ڈیوٹی سے ہر وقت غیر حاضری کا کیا سبب ہے؟ اور کسی بزرگ نے اسے ڈیوٹی ادا کرنے کی کبھی تلقین کی یا نہیں؟

بہرحال لاہوری دوست کے پاس روایت اسی واپڈا کے سرکاری ملازم کی تھی اس لئے میں نے پرواہ نہ کی ——— اب پچھلے دنوں مجلس کے ایک بہت ہی ذمہ دار بزرگ جو میرے بڑے ہی کرم فرما ہیں ان سے ملنے گیا تو یہی بات ان کے ذریعہ معلوم ہوئی کہ تم دونوں پر اس کی ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے۔ بے حد صدمہ ہوا۔ اس موضوع پر اب تک برادرم زاہد الراشدی صاحب سے بات نہ ہوئی تھی۔ اب ان سے بات کرنا ضروری قرار پائی۔ انہوں نے لاحول پڑھا اور بے حد افسوس کا اظہار کیا۔ آخر طے ہوا کہ خدام الدین میں اس خبر کی وضاحت کر دی جائے۔ میں اپنی طرف سے اور برادرم زاہد صاحب کی طرف سے پوری ذمہ داری سے عرض کروں گا کہ سیاسی اختلافات کے سبب ایسی بھونڈی حرکات الحمدللہ

ہم نے کبھی نہیں کیں ـــــ جمعیۃ کے دوسرے دھڑے (بشرطیکہ اس کی کوئی اخلاقی اور آئینی حیثیت ہو بھی) کے بزرگ بہرطور ہمارے بزرگ ہیں ان کا احترام ہمارا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی میں ہم نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔

مجلس حضرت امیر شریعت نے بنائی اور حضرت لاہوری اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب لدھیانوی قدس سرہٗ شیخ طریقت خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں جیسے اکابر کی سرپرستی اور دعائیں شامل تھیں۔ میرے والد بزرگوار عرصہ سے اس کی شوریٰ کے ممبر ہیں۔ بڑے بھائی عرصہ تک مبلّغ رہے۔ حضرت قاضی صاحب مولانا جالندھری مولانا محمد حیات اور مولانا اختر قدس سرہم ہمارے بزرگ تھے اور محسن۔ موجودہ امیر مجلس میرے خاندان کے بہت سے حضرات کے شیخ ہیں اس لئے ہم ضرورتاً ان سے زبانی عرض معروض کرسکتے ہیں اشتہار بازی کی نہ ضرورت تھی نہ ہے۔ آن ڈیوٹی سرکاری ملازم غنیدت کی آڑ میں جو کھیل کھیلتے ہیں اس سے محتاط رہنا اور ہر خبر کی تصدیق و تحقیق قرآن کا حکم ہے جس سے صرف نظر کوئی بڑا چھوٹا نہیں کر سکتا۔

امید ہے بادل نخواستہ تحریر کی جانے والی ان سطور کے بعد کوئی بدگمانی نہ رہے گی۔

اللّٰھم انّا نعوذ بک
من شر الوسواس الخناس
الذی یوسوس فی صدور
الناس من الجنّۃ والناس
آمین بحرمۃ سید المرسلین
علیہ التحیہ والتسلیم۔

فقیر محمد مسعود الرحمٰن علوی
مدیر خدام الدین ـ لاہور

بقیہ : احادیث الرسولؐ

تو وہ سفید بال ظاہر ہوتے تھے اور آپؐ کی داڑھی بہت بالوں والی تھی۔ ایک شخص نے کہا کہ آپؐ کا چہرہ تلوار کی طرح ہے جابرؓ نے کہا نہیں بلکہ آپؐ کا چہرہ مثل سورج اور چاند کے تھا اور گولائی مائل تھا اور میں نے مہر نبوّت کو مانند بیضہ کبوتر کے شانہ کے پاس دیکھا۔ اس مہرِ نبوّت کا رنگ آپؐ کے باقی بدن کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔

ماہانہ مجلسِ ذکر

حسب سابق انشاء اللہ ماہانہ مجلسِ ذکر خضراء مسجد سمن آباد لاہور میں ۴ ستمبر ۸۳ء بروز اتوار بعد نماز مغرب زیر صدارت حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم منعقد ہوگی۔ دعوتِ عام ہے۔ (ناظم)

بقیہ : مسائل چرم قربانی

نہیں ہوتا، کیونکہ عموماً جس کو دیا جاتا ہے وہ یقین رکھتا ہے کہ مجھے اس مال کا کوئی اختیار نہیں، اگر اپنے پاس رکھوں گا تو لوگ ملامت کریں گے، اس خوف اور شرم سے بے چارہ یہ رقم چندہ میں دے دیتا ہے، یہ محض زبانی جمع خرچ ہے، اس طرح نہ وہ مالک ہوتا ہے، نہ دینے والا صدقہ ادا ہوتا ہے، اس حیلے سے یہ رقم مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی تعمیر و انتظامی ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۳۴ جلد ۳)



"اے بیٹے! اگر تیرے پاس علم کا پھل اور اس کی برکت ہوتی تو تُو بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر خواہش نفسانی کے واسطے ہرگز آمد و رفت نہ کرتا۔"

(نصائح غوث الاعظم)

مرسلہ : محمد قاسم ـ گکھڑ

مسائلِ چرمِ قربانی

از ـ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مہتمم دار العلوم کراچی

قربانی کی کھال فروخت نہ کی جائے تو شریعت نے قربانی کرنے والے کو اس میں کئی طرح کا اختیار دیا ہے، لیکن فروخت کرنے سے اکثر صورتوں میں قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے بعض صورتوں میں واجب نہیں ہوتا، یہاں ان سب مسائل کی ضروری تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

کھال کے احکام

۱ـ قربانی کی کھال اپنے اور اہل و عیال کے استعمال میں لانا جائز ہے مثلاً جائے نماز، کتابوں کی جلد، مشکیزہ، ڈول، دستر خوان، جراب جوتے وغیرہ کوئی بھی چیز بنا کر استعمال کی جاسکتی ہے بلا کراہت جائز ہے۔ (ہدایہ و درِّ مختار)

لیکن ان چیزوں کو کرایہ پر دینا جائز نہیں، اگر دے دیں تو جو کرایہ ملے اُس کا صدقہ واجب ہے۔ (شامی و عالمگیری)

۲ـ یہ بھی جائز ہے کہ کھال یا اُس سے بنائی ہوئی چیز کسی کو ہبہ میں (بلا معاوضہ) دے دی جائے۔ جس کو دی جائے خواہ وہ سید اور مالدار ہو، یا اپنے ماں باپ اور اہل و عیال ہوں، اجنبی یا رشتہ دار، کافر ہو یا مُسلمان، بلا معاوضہ ہر ایک کو دینا جائز ہے۔ (ہدایہ ـ عالمگیری ـ امداد الفتاویٰ)

۳ـ فقراء و مساکین کو خیرات میں دی جاسکتی ہے مگر یہ مستحب ہے واجب نہیں۔ (بحر و عالمگیری)

۴ـ قربانی کی کھال، گوشت، چربی، اون، آنتیں وغیرہ، یعنی قربانی کے جانور کا کوئی جزو کسی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں، اگر دے دیا تو اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہے۔

(ہدایہ، عالمگیری، امداد الفتاویٰ)

۵ـ قربانی کے جانور کی جھول، رسی اور ہار جو گلے میں پڑا ہو وہ بھی کسی کی خدمت کے معاوضے میں دینا جائز نہیں، ان چیزوں کو خیرات کر دینا مستحب ہے۔

(شامی ـ عالمگیری ـ ہدایہ و عزیز الفتاویٰ)

قربانی کی کوئی چیز قصائی وغیرہ کو بھی اس کی مزدوری میں دینا جائز نہیں اس کی مزدوری الگ دینی چاہیئے۔

(ہدایہ در مختار)

امام و مؤذّن کو بھی حق الخدمت کے طور پر دینا جائز نہیں، حق الخدمت اور معاوضے کے بغیر ہر ایک کو دے سکتے ہیں۔

کھال کی قیمت کے احکام

۶ـ قربانی کی کھال یا اس سے بنائی ہوئی چیز کو فروخت کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ روپے کے بدلے فروخت کی تو اس رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے اسیطرح اگر ایسی کسی اور چیز کے بدلے میں فروخت کی جو باقی رہتے ہوئے استعمال میں نہیں آتی، یعنی اسے خرچ کئے بغیر اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا، مثلاً کھانے پینے کی چیزیں اور تیل، پٹرول، رنگ و روغن وغیرہ تو ان اشیاء کا بھی صدقہ واجب ہے یہ فقراء و مساکین کا حق ہے۔ کسی اور مصرف میں لانا جائز نہیں۔

(ہدایہ، بدائع و امداد الفتاویٰ)

ان اشیاء کے بدلے قربانی کی کھال اس نیت سے فروخت کرنا کہ اپنے خرچ میں لے آئیں گے، مکروہ بھی ہے، صدقہ کرنے کی نیت سے فروخت کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن کسی بھی نیت سے فروخت کی ہو بیع نافذ ہو جائے گی اور ان اشیاء کا صدقہ بہرحال واجب ہوگا۔

(بحر، در مختار، عالمگیری)

اور اگر قربانی کی کھال یا اس سے بنائی ہوئی چیز کے بدلے میں فروخت کی جو باقی رہتے ہوئے استعمال میں آتی ہے یعنی اسے خرچ کئے بغیر اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کپڑے، برتن، میز، کرسی، کتاب، قلم وغیرہ تو ان اشیاء کا صدقہ واجب نہیں، بلکہ ان کا وہی حکم ہے جو پیچھے کھال کا بیان ہوا کہ خود اپنے کام میں لانا دوسرے کو ہبہ میں (بلا معاوضہ) دے دینا اور خیرات کرنا سب جائز ہے۔

(ہدایہ، بدائع، در مختار، امداد الفتاویٰ)

پھر اگر ان اشیاء کو روپے، یا

کھانے پینے اور خرچ ہونے والی اشیاء کے بدلے فروخت کر دیا تو حاصل ہونے والی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

(امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص ۵۷۳)

مصرف

۷۔ اوپر اور آگے جن جن مسائل میں صدقہ کا واجب ہونا بیان کیا گیا ہے وہ صدقہ صرف انہیں فقراء و مساکین کو دیا جا سکتا ہے جنہیں زکوٰۃ دینا درست ہے، جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں انہیں یہ صدقہ بھی نہیں دیا جا سکتا، تفصیل آگے مسائل میں آ رہی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۴۳۶، ۵۶۶ جلد ۳)

۸۔ جس کی ملکیت میں اتنا مال ہو کہ جس سے زکوٰۃ اور قربانی واجب ہو جاتی ہے وہ شرعًا مالدار ہے، اسے یہ صدقہ دینا جائز نہیں اور جس کے پاس اس سے کم مال ہو وہ شرعًا غریب اور مستحق زکوٰۃ ہے، اسے یہ صدقہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

(درمختار ص ۹۹ جلد ۲ و بحر ص ۲۶۳ جلد ۲)

نابالغ بچوں کا باپ اگر مالدار ہو تو ان کو بھی نہیں دے سکتے، لیکن اگر اولاد بالغ ہو اور مالدار نہ ہو تو ان کو دیا جا سکتا ہے، اسیطرح مالدار کی بیوی اگر مالدار نہ ہو تو اسے بھی دے سکتے ہیں (ہدایہ)

اگر نابالغ بچوں کی ماں تو مالدار ہے، باپ مالدار نہیں، تو ان بچوں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ (درمختار)

۹۔ سید اور بنو ہاشم کو (یعنی جو لوگ حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ، یا حضرت حارثؓ بن عبد المطلب کی اولاد میں ہوں اُن کو) یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔

(شامی، بحر، ہدایہ، امداد الفتاویٰ)

۱۰۔ اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، پردادا وغیرہ کو کہ جن کی اولاد میں یہ خود ہے، یہ صدقہ دینا درست نہیں۔

(ہدایہ جلد ۱)

اسیطرح اولاد، پوتے، پوتی، نواسے، نواسی وغیرہ کو جو اس کی اولاد میں داخل ہیں، ان کو دینے سے بھی یہ صدقہ ادا نہ ہوگا۔ شوہر اور بیوی بھی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے۔ (ہدایہ جلد ۱)

باقی سب رشتہ داروں کو دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں، بلکہ ان کو دینے میں دوگنا ثواب ہے، ایک خیرات کا اور دوسرا اپنے عزیزوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا۔ (شامی جلد ۲)

۱۱۔ فتویٰ اس پر ہے کہ یہ صدقہ کافر کو نہ دیا جائے۔

(شامی ص ۹۲ درمختار ص ۸ جلد ۲، و امداد المفتین ص ۴۶۴)

۱۲۔ کسی کو مزدوری یا حق الخدمت کے طور پر بھی یہ صدقہ نہیں دیا جا سکتا۔

۱۳۔ زکوٰۃ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ کی طرح اس صدقہ کی ادائیگی کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ کسی فقیر مسکین کو مالکانہ طور پر دے دیا جائے۔ جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، اس کے مالکانہ قبضے کے بغیر بھی یہ صدقہ ادا نہ ہوگا۔

(درمختار ص ۱۷ جلد ۲ و امداد الفتاویٰ)

چنانچہ اسے مسجد، مدرسہ، شفاخانہ، کنوئیں، پل یا کسی اور رفاہی ادارے کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی لاوارث کے کفن دفن یا میت کی طرف سے قرض ادا کرنے میں بھی اسے خرچ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہاں کسی فقیر کو مالک بنانا اور اس کے قبضے میں دینا نہیں پایا گیا۔ (کنز، ہدایہ، بحر)

کسی ایسے مدرسے یا انجمن وغیرہ میں دینا بھی کہ جہاں وہ غریبوں کو مالکانہ طور پر نہ دیا جاتا ہے، بلکہ ملازمین کی تنخواہوں یا تعمیر اور فرنیچر وغیرہ انتظامی مصارف میں خرچ کر دیا جاتا ہو جائز نہیں البتہ اگر کسی ادارے میں غریب طلباء یا دوسرے مسکینوں کو کھانا وغیرہ مفت دیا جاتا ہو تو وہاں یہ صدقہ دینا جائز ہے، لیکن یہ اس وقت ادا ہوگا جب وہ رقم بعینہ، یا اس سے خریدی ہوئی اشیاء مثلاً کھانا، کتابیں، کپڑے، دوا وغیرہ ان غریبوں کو مالکانہ طور پر مفت دے دی جائیں۔

(امداد الفتاویٰ)

حیلۂ تملیک

البتہ کھال اگر کسی غریب یا مالدار کو، یا کھال کی رقم کسی غریب کو مالکانہ طور پر قبضہ میں دے دی اور صراحت کر دی کہ تم اس کے پوری طرح مالک ہو، ہمیں اس میں کوئی اختیار نہیں، پھر وہ اپنی خوشی سے اس کی رقم مسجد، مدرسہ یا کسی بھی رفاہی ادارے کی تعمیر یا اس کے ملازمین کی تنخواہوں وغیرہ میں اپنی طرف سے لگا دے تو یہ جائز ہے، مگر یاد رہے کہ "حیلۂ تملیک" کے نام سے جو کھیل عام طور سے کھیلا جاتا ہے اس سے زکوٰۃ کی طرح یہ صدقہ بھی ادا

(باقی ۳۴ پر)

طبی مشورے

براہِ راست جواب کے خواہشمند حضرات جوابی لفافہ ضرور بھیجیں۔

حکیم آزاد شیرازی شیرانوالہ گیٹ لاہور ۸

ٹی بی کا نسخہ

س: مَیں گزشتہ آٹھ برس سے ٹی بی کا مریض ہوں اور علاج کرا کے تھک چکا ہوں۔ براہ کرم ٹی بی کا نسخہ تجویز کریں۔

نیز میرا بچہ سانس کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ عمر آٹھ ماہ ہے۔ اس کے لئے نسخہ تجویز کریں۔

(حافظ محمد صادق شہر سلطان ضلع مظفر گڑھ)

ج: ٹی بی کا نسخہ پیش خدمت ہے:

ہلدی خالص کا سفوف پندرہ حصے، آک کا تازہ دودھ ایک حصہ۔ دونوں کو پندرہ منٹ تک کھرل کریں۔ کہ یکجان ہو جائیں۔ دوائی تیار ہے۔ روزانہ ایک رتی کی خوراک ہر تین گھنٹے بعد پانی کے ساتھ کھائیں۔ نیز صبح و شام بکری کا دودھ گرم کر کے پیا کریں۔ اور ٹھوس غذا کے بجائے لیکوئیڈ غذا، مثلاً دودھ، گوشت سبزی کا شوربا، چائے وغیرہ دیں۔ جس میں تیسرا حصہ خالص دیسی گھی شامل ہو۔ جب رو بصحت ہونے لگیں تو مونگ کی دال، گاجر اور پیٹھے کا حلوہ وغیرہ کھائیں قبض ہو تو دوائی کی مقدار ½ ماشہ کریں۔ پیچش ہو تو ¾ رتی تک استعمال کریں۔

انشاء اللہ صحت ہوگی۔

بچے کو خمیرہ گاؤزبان عُود صلیب والا صبح و شام ½ ماشہ کھلائیں۔

بالوں کی سفیدی

س: میری عمر ۲۳ سال ہے۔ سر کے بال سات سال سے سفید ہو رہے ہیں اور کنگھی کرنے سے گرتے ہیں۔ دماغ بھی کمزور ہے چکر آتے ہیں، حافظہ کمزور ہے علاج تجویز کریں۔

(حافظ عبدالسلام، خیرپور سندھ)

ج: ہر قسم کا صابن سر پر لگانا ترک کر دیں آملہ خشک کو پانی میں بھگو کر اس پانی سے سر دھویا کریں۔ نیز بال خشک ہونے پہ تارا میرا یا سرسوں خالص کا تیل استعمال کریں۔ دماغی کمزوری کے لئے ہماری دوائی "دماغی" منگوائیں۔

سگریٹ نوشی کا علاج

س: مریض کی عمر سولہ سال ہے سات سال سے سگریٹ نوشی کی عادت میں مبتلا ہے اور نزلہ زکام کی شکایت ہونے لگی ہے یادداشت کمزور ہو چکی ہے سکول کا طالب علم ہے۔ بہت سی انگریزی دوائیں استعمال کیں لیکن افاقہ نہیں ہوا۔

(حافظ عبدالسلام خیرپور سندھ)

ج: سگریٹ نوشی ترک کرائیں ورنہ علاج نہیں ہو سکے گا۔

ضروری تصحیح

خدام الدین ۱۹ اگست ۸۳ء کے طبی مشورے کے تحت جناب کرامت حسین جھنگ صدر کے سوال کے جواب میں چھٹانک بھر "سیپ" کے بجائے "سیدب" لکھا گیا ہے۔ براہ کرم تصحیح فرما لیں۔

(آزاد شیرازی)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴ — ہفت روزہ خدام الدین لاہور — فون: رہائش ۳۱۱۱۸۲ مدرسہ ۶۴۹۸۰

میدانِ عرفات سے خطاب

لال دین اخگر، ایم اے۔ پی، ایچ، ڈی

مرحبا روزِ ازل سے حاملِ انوار تو — اور سعادت کے چمن کا محرمِ اسرار تو

حبذا سارے جہاں میں مرکزِ اخیار تو — اللہ۔ اللہ میزبانِ سیدِ ابرار تو

سرورِ عالم کے قدموں کے نشاں تیرے نصیب — ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے ہیں جواں تیرے نصیب

قدسیوں کی بھیڑ میں وہ کون تھے ناقہ سوار — مہرِ عالم تاب تھا جن کی جبیں سے شرمسار

تو نے دیکھی سیر ہو کر فخرِ عالم کی بہار — تیری دنیا جنتِ فردوس سے تھی ہمکنار

آمنہ کے لال کا خطبہ تیری قسمت میں تھا — اے خوشا! ایسا رفیع رتبہ تیری قسمت میں تھا

اے بلند اختر اسامہؓ! اے ردیفِ مصطفیٰؐ — رشک کرتے تھے ملائک تیری خدمت پر بجا

سایہ بانی سے تری مسرور تھے خیر الوریٰ — ہم عقیدت سے تجھے کہتے ہیں اسلامی ہما

زندگی تیری محبت کی ہے رنگیں داستاں — رحمۃ للعالمینؐ تھے تجھ پہ ہر دم مہرباں

روزِ عرفہ تیری شوکت کا بیاں ممکن نہ تھا — زیرِ گردوں تیرا ہم پلہ جہاں ممکن نہ تھا

سرزمیں ممکن نہ تھی اور آسماں ممکن نہ تھا — اجتماع تجھ سا کہیں رشکِ جناں ممکن نہ تھا

ملتِ بیضا براہیمیؑ قبا اوڑھے ہوئے — اور فخرِ انبیاء بھی اک ردا اوڑھے ہوئے

جبلِ رحمت کی دعائیں اور ذوق و آرزو — ہر طرف قدسی فضائیں اور حق کی جستجو!

نعرۂ لبیک ہر سُو، تا فلک نغماتِ ہُو — ہو گئے لبریز سب کے ساقیا جام و سبو

ساری دنیا سے یہاں عرفاں کے پیاسے آ گئے — اے فرشتو! دیکھ لو قرآں کے پیاسے آ گئے

تیرا میدانِ مقدس مرکزِ سوز و سرور — حشر تک تاباں رہیں گے تیرے ایام و شہور

بخشتا ہے اپنے بندوں کو یہاں ربِّ غفور — خوش نصیبوں کو تو حاصل ہو گیا لطفِ حضور

تیری وادی جنتِ فردوس کی تصویر ہے
مرجعِ مردانِ حق ہے، عشق کی تعبیر ہے

منظور شدہ محکمہ تعلیم: ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبر B.C.T ۲۳۶۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء ۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۳۹/۹/۲۰۶۷-D.O.D مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۲ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر ۱۲ G.O/۴۰-۱۰۴۵ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۷ء